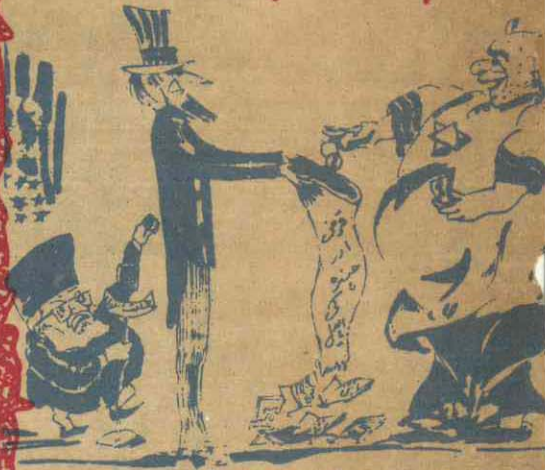


پر میل ششہ قیمت ۵۰ پیسے





شماره ۱۹۴۱



پہلا سبق

روپیہ بچائیے، کل کام آئیگا

حبیب بینک لمیٹڈ

پاکستان میں ۱۰۰ سے زائد شاخیں

مَنشُور

اداس بیج

پریس عوام دشمن کردار کا حامل ہے ————— ۴

مستقل عنوانات

۱۔ اے وطن ————— محب وطن ۶
۸۔ صحرا بہ صحرا کو بہ کو ————— مارگو پولو
۱۱۔ تراشے
۲۴۔ نوک نشتر

مضامین

مودودی صاحب کا نفسیاتی تجزیہ —————

۱۳۔ پرویز ————— ریاست امب
۱۶۔ محمد سعید ————— گھٹاؤنی سازش
۲۵۔ فکا رہجاری ————— مشرقی پاکستان میں ریفرنڈم
۳۲۔

افسانے

ٹھہرے کی بوتل
امان اللہ خان — ۳۴

نظمیں غزلیں

۱۵۔ عابد حشری —————
۲۱۔ مسام شمیم —————
۱۵۔ خمار انصاری —————

خبرنامہ

۳۵۔ مزدور یونینوں کی خبریں

لوگ کہتے ہیں

۴۱۔ قارئین کے خطوط

سرورق ————— بشکریہ :-

(۱) ہفت روزہ "نصرت" لاہور

(۲) "پالی ڈے" ڈھاکہ

(۳) ہفت روزہ "جوہر" کراچی

حیات و کائنات کا ترجمان

قیمت

مغربی پاکستان
فی پرچہ — ۵۰ پیسے
سالانہ — ۵ روپے
مشرقی پاکستان
(زہوالی ڈاک سے)

فی پرچہ — ۶۵ پیسے
سالانہ — ۷ روپے

☆ مدیر
سیط اختر

فاشر :- سبط اختر

طابع سید صابر علی

مشہور پریس کراچی

اپریل ۱۹۷۰ء
جلد شمارہ ۲

پتہ :- کے - ۱۸ جوہر کالونی نزد بسم اللہ ہوٹل منگھوپیر روڈ کراچی ۱۱

پریس عوام دشمن کردار کا حامل ہے

ہی ہو کی۔ ان تمام باتوں کے باوجود نام نہاد جمہوریت پسند اور اسلام پسند، جمہوریت اور اسلام کے ساتھ کھلی موٹی غداری کرتے ہوئے "نیشنل پریس ٹرسٹ" کے خاتمے کے مطالبے سے چشم پوشی کر رہے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ آزادی صحافت کیلئے بلند کئے جانے کے متعلق ان کے افسروں میں خلوص نہیں بلکہ کھوٹ تھا اور ہے۔

این پی ٹی کا یہ ذکر تو صرف ایک جھلک ہے، اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو کم و بیش تمام پریس غلامانہ صحافت کے جلوے دکھ رہا ہے۔

یہ تو سب ہی کے علم میں ہے کہ مزدوروں اور طلب علموں، کسانوں اور استادوں، مجبوروں اور لاجاردوں کے جلسے جلسوں میں اگر ہزاروں اور لاکھوں کی حاضری ہو تب بھی اس کا ذکر غوراً ایک کالم یا زیادہ سے زیادہ تین کالموں میں کر دیا جاتا ہے مگر یہ بھی سب جانتے ہیں کہ اتنا بھی مزدوری نہیں ہے کیونکہ جب "یاروں" کی مرضی ہوتی ہے تو اسے بھی گول کر دیا جاتا ہے۔ لیکن کسی جاگروار سیاستدان یا کسی سرمایہ دار رہنمایا کسی اعلیٰ سرکاری اہلکار نے اگر ہزاروں مرتبہ کہی ہوئی بات کو، آئینے کے سامنے یا "مصاحب نما چند آئینوں" کے درمیان کھڑے ہو کر انتہائی بھونڈے اور قطعی غیر مدلل انداز میں دہرایا ہو تو اسے بڑے ترک و احتشام اور انتہائی دلکش طریقے نیز طرح طرح کی نمایاں تضادیر کے ساتھ آٹھ آٹھ کالمی سرخیوں میں پیش کر دیا جائے گا۔ بلکہ یہ بھی مشاہدے میں آتا ہے کہ ایسے موقعوں پر اخبارات کی لوح تک اپنی مستقل جگہ سے ہٹا دی جاتی ہے، قلمی یہ الگ بات ہے کہ یہ سارا کا سارا مواد بذات خود آٹھ لائنوں کا بھی نہیں ہوتا۔ مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے جب "آقاؤں" کی مرضی یہ ہے کہ ہری تو پسندیدہ خبر، فرد اور جماعت کو مضحکہ خیز حد تک کیوں نہ اچھالا جائے۔

کون نہیں جانتا کہ سماجی، سیاسی اور ریڈیوین سرگرمیوں میں مرکزی کردار ادا کرنے والے غریب و نادار کارکن انتہائی نامساعد حالات کے باوجود، اخبارات کے دفروں کے چکر کاٹ کاٹ کر اپنی انتہائی اہم خبریں پہنچاتے ہیں مگر دوسرے روز انھیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بھی یہ خبریں نظر نہیں آتیں۔ جبکہ مال والوں کی خبریں دفروں اور کھروں میں بذات خود جا کر یا "اجرت پر ملازم دانشور" کو بھیج کر حاصل کی جاتی ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ٹیلیفون پر ہی پیغام یا اشارہ مل جانے کے بعد خود ہی پوری خبر تیار کر کے اخبار یا رسالے کی زینت بنا دی جاتی ہے۔ اگر پورے مواد نہ ہو تو زوردار مزید شان پیدا کر نیکنے لئے دوسروں کے جلسوں، جلسوں کی تصویریں اور تقریریں میکہ مہربانوں اور قدر دانوں کیلئے لکھیا دی جاتی ہیں۔

ملاقاتوں اور انٹرویوز کی کہانی تو اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہے۔ خصوصی رپورٹوں کا معاملہ بھی اپنے لحاظ سے بڑا پُر لطف ہے۔ آنے جانے

وطن عزیز کی صحافت کے بارے میں سرکاری حلقوں کی طرف سے آئے دن نئی بیانات آتے رہتے ہیں، وہ حلقے بھی جو محروم اقتدار ہونے کے باوجود ذرائع اور وسائل کے مالک ہیں، ان بیانات کی تائید و حمایت کرتے رہتے ہیں۔ اور ہر طرف سے کسی نہ کسی طرح یہ باور کرانے کی کوششیں ہوتی رہتی ہیں کہ ملکی پریس عوام کا ترجمان ہے، اخبارات غمزدوں کے ساتھی ہیں، صحافت قوم کا صاف و شفاف آئینہ ہے۔

ہمارے نزدیک یہ سب کچھ سفید جھوٹ ہے۔ اکا دکا اخبارات اور رسالوں نے اگر صداقت کو اپنایا بھی ہے تو ان کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ ورنہ اس وقت تو صرف ایک آدھ اخبار یا رسالے کو چھوڑ کر پریس کا جو عالم ہے، اس کو دیکھتے ہوئے ڈنکے کی چوٹ پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ صحافت دراصل (سن ناماد) مشاطہ کا کردار ادا کرنے پر مجبور کر دی گئی ہے جو باندی بنائیکے بعد ایک انتہائی بد شکل و بد کردار و بد انجام عورت کا میک اپ کرنے پر مامور ہو، یہ بد شکل عورت، دراصل موجودہ معاشرہ ہے۔ اس معاشرے کی سب سے بڑی اخلاقی گراؤٹ طبقائی لوٹ کھسوٹ ہے۔ اس معاشرے کا انجام جاگروار نہ نظام معیشت کے ناسور اور سرمایہ داری کے فاسح کے شکا و باجیم ہے، تو کر شا ہی اس معاشرے کا ٹیٹھوا دبا ہے ہوئے ہے اور سامراجیت اسے کا ندھوں پر اٹھائے ہوئے قبرستان کی طرف جارہی ہے۔ لیکن ان تمام حقیقتوں کی ناکام تردید کرنا اور کرتے ہی رہنا، فسطائی اصولوں کے مطابق موجودہ صحافت کا فرض منصبی ٹھہرا دیا گیا ہے۔

ابھی پچھلے سال کی بات ہے کہ جمہوریت کے کچھ جھوٹے مشدائی آزادی صحافت کیلئے آسمان سر پر اٹھائے پھرتے تھے۔ ان کی یہ ایک بات تو یہیں خوب اچھی طرح سے یاد ہے کہ انہوں نے نیشنل پریس ٹرسٹ کے خاتمے کا مطالبہ بھی کیا تھا پھر ان پر یہ کیا منحصر ہے۔ کہ مشرقی پاکستان میں تو عوام الناس نے اس ٹرسٹ کے غلام، اخباروں کے دفاتر کو نذر آتش تک کر دیا تھا۔ کہ جھوٹ بولنے اور پھیلانے والوں کا یہی انجام ہوا کرتا ہے۔ مگر ان تاریخی واقعات کے بعد بھی آج کل ان سب جھوٹے جمہوریت پسندوں کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ کیوں بھلا۔؟ اس لئے کہ اب صحافت کے گلے میں پڑا ہوا پھندا، جس پر "این پی ٹی" لکھا ہوا ہے اور جو تاریخ پاکستان کے بدنام ترین آمر اعظم ایوب خان نے تیار کیا تھا۔ پرانے آقاؤں کے ہاتھوں میں سے نکل کر خود ان کے اپنے ہاتھوں میں آ گیا ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ نئے منتظم وہ ہیں، جو تاریخ وطن کے بدنام ترین اگر تلہ ساز مش کیس کے "منصف" تھے۔ خود ان کے ساتھ مشرقی پاکستان کے باشعور عوام نے انصاف کرنے کی جو طرح "ڈالی تھی"، وہ تو مثلاً یہ تمام "متعلقہ" حضرات کو یاد

کا کرنا یہ لیجئے، رہنے مسکن کا مزہ لوٹئے، تصویریں کھینچنے کیلئے منہ مانگے دام لیجئے اور قوم کے دکھ درد میں مبتلا "لیڈر" جو کچھ کہے اس کو تاریخ و تقدیر کی کوسوں پر جانچے بغیر دہم دھام سے شائع کر دیتے۔ پچھلے اس طرح سارے کا سارا اخبار یا رسالہ بیچوں کی دکان بچکیوں میں جانے۔ کچھ ہی کہ صحافت بھی تو تجارت ہی ہے۔ شعور و ایمان و صداقت کی منظر تو نہیں ہے۔ رہا تجارت کی صحافت یا صحافتی تجارت کا کمیشن یا منافع وغیرہ، سودہ اشتہاروں، انٹرا کانٹری نیٹیل ہوٹل جیسے ہوٹلوں کے بلوں کی ادائیگی اور ہوائی جہاز کے سفر کے ٹکٹوں کی صورت میں مل ہی جایا کرتا ہے۔ اگر شہوت چاہئے تو پی آئی اے، الڈو سیا مل اور انٹرا کانٹری نیٹیل ہوٹل کے منتظمین اور گنڈگی جیسے رسالوں کے مدیروں سے مل کر فوری طور پر حاصل کیا جاسکتا ہے پھر بات یہیں نہیں ختم ہو جاتی۔ چٹخاروں اور ذہنی عیاشیوں کی خاطر سطح انجیلی جیسے مکاروں کی پریس کانفرنسوں، پاکستانی عوام کی تحریکات بیداری کے خلاف فتویٰ فروشوں کے گراہ کن فتوؤں اور مسلمانان عالم کے ذہنوں میں ضحیف الاعتقاد کی جالوں کو مضبوط کر نیکیے لئے سوہا تو اور ناسوشن جیسے دشمنان سوئیکاروں کے تیار کئے ہوئے زہرہ نواز کے ڈرائے پیش کرنا اس گلی سڑی صحافت کا طرہ امتیاز ہے جو ذرا بنظر غائر دیکھا جائے تو امریکی سفارتخانوں سے ملنے والی، سی آئی اے کی "پوسٹ شدہ امداد" کی بین پرسانہ کی طرح مست و بخود ہوجاتی ہے۔

اس مکروہ صحافت کے سلسلے میں ایک دعویٰ، غیر جانبداری کا بھی کیا جاتا ہے۔ یوں تو یہ دعویٰ اپنے طور پر خود ہی کھوکھلا اور بودا ہے لیکن ان دنوں صنعتی اداروں میں جو ریفرنڈم ہوئے ہیں، ان کے متعلق اخبارات اور رسالوں کے عام رویے سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ یہ غیر جانبداری دھوکے کی ٹٹی ہے۔

مغربی پاکستان میں، پی آئی اے کے اندر ہونے والے ریفرنڈم کا حالانکہ ایئر ویز ایمپلائز یونین نے اصولی اور قانونی طور پر بائیکاٹ کر دیا تھا مگر اس کے باوجود اخبارات نے جماعت اسلامی کی بغل بچی سیاسی یونین کی حمایت میں خوب خوب اچھیل کود کی تھی مگر جب اسی سیاسی کوثری پاکستان میں ایک لاکھ روپے کے خرچ اور تمام اندرونی و بیرونی طاقتوں کی سرپرستی کے باوجود عبرتناک شکست ہوئی تو انہی اخبارات نے ایسا سکوت اختیار کیا جیسے ان کے گھروں میں بمی موت واقع ہو چکی ہے۔ پھر پی آئی اے کے ریفرنڈم کے متعلق اس متضاد رویے کو چھوڑ کر دیکھئے تو ملک بھر میں ہر جگہ اور ہر صنعتی ادارے میں جماعت اسلامی کے چھٹ بھٹیوں کو ہزار ہا مزدوروں نے تھکرایا ہے، لیکن اخبارات نے روایتی اور بدترین ڈھچک پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان خبروں کو دیا اور نظر انداز کیا ہے اور اگر کبھی بادل نچی سہ پیش بھی کیا تو اس طرح کہ، نہ کیا جاتا تو اچھا تھا۔

پریس کا یہ مجموعی اور شرمناک رویہ یوں تو برانا ہے مگر موجودہ وزارت اطلاعات و نشریات کی نگرانی میں یہ رویہ خصوصی طور پر جانبدارانہ اور قابل گرفت ہو گیا ہے، لیکن صدارتی کا مینہ میں نواب زادہ شیرعلی کی مستقل موجودگی اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ نہ تو پریس کا یہ رویہ بدے گا اور نہ ہی اس کو بدلنے کیلئے کسی قسم کی کوی گرفت کی جائے گی بلکہ اس کے برعکس اس امر کے یقینی امکانات ہیں کہ اس رویے کو سرکاری سرپرستی میں مزید تقویت اور سختی بخشی جائے گی۔ مگر ہاں اس صورتحال کے پیش نظر ایک اور بڑی حقیقت کا انکشاف ضرور ہو گیا ہے کہ خود موجودہ حکومت کا رویہ بھی اس ضمن میں غیر جانبدار و بے داغ نہیں ہے۔

اب دیکھئے اور سمجھئے کی بات یہ ہے کہ پریس سے متعلقہ ہر شعبے میں کام کرنے والے دانشوروں اور مزدوروں کی ایک بڑی واضح تعداد بھی مالکا

اخبارات اور افسران حکومت کی جکی کے پاٹوں میں پس رہی ہے نہ ان کی نوکریوں کا تحفظ ہے، نہ انہوں میں اضافہ ہے۔ نہ حالات کا مطلوبہ سہولتیں ہیں نہ شرائط ملازمت میں مثبت تبدیلیاں ہیں، نہ قلم کی آزادی ہے، نہ تنقید کی مٹ نواہی ہے۔

عام طور پر آمریت اور پابائیت کے یہ ڈھنڈورجی قانونی ماسدوں کا عذر لنگ بھی پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں مگر یہ ہانے تو اسی وقت قابل قبول ہو سکے تھے کہ جب ہماری اپنی قومی تاریخ صحافت کا مرید اور ہمدرد اور دے معلیٰ اور ابدال جیسے مثالی طور پر بیباک اور اندر اخبارات اور رسالوں سے خالی ہوئی یا ہانے بزرگوں میں ایسے بہادر صحافیوں کا وجود نہ ہوتا جنہوں نے صداقت و انصاف کی خاطر زنداں بندے ہوئے تھے یا بے روزگاری کا زہر سہا تھا۔ ظاہر ہے کہ ہماری اپنی تاریخ صحافت کے صفحات پر ان جوان مردوں کے نام رہتی دنیا تک جگمگاتے رہیں گے۔ اور ان ہی کی جگہ گاہٹ اور تابانی میں وہ جھبٹ و تاریک چہرے مزید نمایاں طور پر نظر آئیں گے، جو چند مسکوں کے عیوض اور چند ملوں کی خاطر ناموس شہیدان وطن بچے ڈالنے سے بھی نہیں چوکتے۔

ہمارا ملک ہر لحاظ سے پسماندہ ملک ہے۔ یہاں پڑھے لکھے افراد کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ تمام پڑھے لکھے افراد، اخبارات اور رسائل وغیرہ پڑھیں، لہذا ایسے لوگوں کی تعداد اور کم ہو جاتی ہے جو پریس کے پھیلانے ہوئے زہر سے براہ راست متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ عوام دشمن قوتوں کا یہ سوچنا کہ وہ پریس کو بھی بین لیکر اور رکھ کر اپنے مکروہ خدوخال کو چھپانے میں کامیاب ہو جائیں گی، دراصل خود ایک خود فریبی ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے مہکنڈوں اور وسیلوں سے کام لیکر پریس کو ایک ایسی دھول بنانے میں کامیاب ہو گئی ہیں جو عوام کی آنکھوں میں جھونکی جاتی ہے مگر یہ سب کچھ وقتی طور پر ہی ہوتا ہے کیونکہ معاشرہ میں کارفرما خارجی قوتیں اپنے طور پر اٹل ہیں۔ معاشی سیاسی اور ثقافتی عوامل ہر طور اور ہر قیمت، اخبارات اور رسائل کی دروغ بانوں، جعل سازیوں، ملع کاریوں اور سودے بازیوں کے مقابلے میں زیادہ اور قطعی اہمیت کے حامل ہیں۔ عوام دشمن کردار کے حامل یہ کاغذی چھپرے اپنی تمام کثیرالاشاعت پوزیشن کے باوجود صدائوں کی تانناک کر نوں کو پھیلنے سے نہیں روک سکتے۔ سرطانڈ اور غلامت کے ڈھروں کو نہیں چھپا سکتے۔ معاشی نامہواروں معاشرتی نا انصافیوں اور گفافتی بددقتیوں کو چھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعے نہیں جھٹلا سکتے۔

ضمیر فرمیں اور اخلت با بچہ افراد اور ادارے اپنی تمام صلاحیتوں سے کام لیکر شور و غوغا مچا رہے ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ نظام زیرستی کی نحوستوں اور خباثتوں پر دین نقابیں ڈال رکھیں۔ مگر اب یہ صذر تحال بدل رہی ہے۔ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ انھیں ان نقاب پوڑوں اور ان نقاب ڈالنے والوں کی اپنی اپنی نفت بول کے بھی آختری تار نوچ لیتے ہیں۔

عوام مرد و جہ معیشت، سیاست، ثقافت اور صحافت کے طبقاتی کردار سے باخبر ہوتے جا رہے ہیں۔ اب ان کی سمجھ میں یہ بات آنے لگی ہے کہ کارخانوں، جاگیروں، اخباروں کے مالکوں یا پابائیت کے علمبرداروں کا طبقاتی مفاد ایک ہے۔ اسی لئے یہ سب کے سب ہم آواز دیک رنگ ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ان کا مافیہ اور حال ایک ہے تو پھر انعام بھی یکساں ہی ہو گا۔؟



پاکستان کے نجی شعبے میں بیرونی سرمایہ

اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی حالیہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پچھلے تین برسوں میں غیر ملکی سرمایہ کاروں نے پاکستان کے نجی شعبے میں سرمایہ کاری کی صورت میں جو بین کروڑ اٹھارہ لاکھ روپے لگائے۔ رپورٹ کے مطابق ۶۸-۶۷-۶۶ء میں بالترتیب پانچ کروڑ چھتیس لاکھ روپے، چھ کروڑ پچانوے لاکھ روپے اور گیارہ کروڑ ستاسی لاکھ روپے لگائے گئے۔ سب سے زیادہ رستم صنعتی شعبے میں لگائی گئی۔ اس شعبے میں سترہ کروڑ نو لاکھ روپے تجارت کے شعبے میں، دو کروڑ اکیاسی لاکھ روپے، کان کنی اور دوسرے شعبوں میں دو کروڑ تیرہ لاکھ روپے لگائے گئے۔ جن ملکوں نے پاکستان میں اپنا سرمایہ لگایا ہے ان کی تفصیل یہ ہے :-

برطانیہ : دس کروڑ ۹۲ لاکھ روپے
امریکہ : پانچ کروڑ ستاسی لاکھ روپے
دیگر ممالک : سات کروڑ ۳۸ لاکھ روپے
۱۹۶۸ء کے آخر تک پاکستان نجی شعبے میں تین ارب اٹھاون کروڑ چھپن لاکھ روپے کی مالیت کے قرضے لے چکا تھا۔

رپورٹ میں ایسے صنعتکاروں اور اداروں کا ذکر نہیں جنہوں نے یہ قرضے وصول کئے، بہر حال یہ آسانی کے ساتھ قرضہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ قرضے زیادہ تر بدنام زمانہ ۲۳ خاندانوں کو ہی ملے ہوں گے۔

سرمایہ دارانہ طرز حکومت میں سرمایہ لگانے کا صرت اور صرت ایک ہی مقصد اور مفہوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ زیادہ سے زیادہ منافع کمایا جائے اور منافع دراصل استحصال شدہ محنت کا دوسرا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام حکومت میں صنعتوں کے قیام سے عوام کے مسائل میں کمی واقع ہونے کی بجائے الٹا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ پاکستان میں ٹیکسٹائل کی صنعت نے خوب ترقی کی۔ کپڑا عوام کی مجموعی ضروریات سے کچھ زیادہ ہی پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کپڑے کے نرخ اس زمانے کے نرخوں سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ جبکہ ملک میں کپڑا باہر سے منگایا جاتا تھا۔ کم دہش یہی حال دیگر صنعتوں کا بھی ہے۔ سرمایہ داروں کو پاکستان کے قیام سے لے کر آج تک ہر حکومت کی طرف سے ٹیکسوں میں چھوٹ، صنعتی پلانٹوں کی وجہ قیمت کی وصولیابی، بونس وادجہ کا اجراء اور اسی طرح مختلف تشکلوں میں قابل رشک مستقل مراعات دی جاتی رہی ہیں اور دوسری طرف یہ عالم ہے کہ عوام پر ہر سال نئے نئے ٹیکس عائد کئے جاتے۔ آرٹکاز زرعی خاطر عوام کے استحصال کو جائز قرار دیا جاتا رہا ہے۔ سرمایہ کی کمی کو پورا کرنے کا عذر تراش کر ہی پاکستان میں بیرونی ممالک کے سرمایہ کاروں کو سرمایہ لگانے کی دعوت دی جاتی ہے اور اس کے لئے یہ باور کرانے کی کوشش بھی کی جاتی ہے۔ کہ پاکستان میں نجی شعبہ کو تویانے جلنے کا کوئی خطرہ نہیں لہذا بیرونی سرمایہ کو یہ اندیشہ لاحق نہ ہونا چاہئے کہ کسی موقع پر ان کے سرمائے کو قومی تحویل میں لے لیا جائے گا۔ اس قسم کی ترغیب دلانے کیلئے بیرونی ممالک کے اخبارات و رسائل کا سہارا لیا جاتا ہے اور نجی ملکیت کو پاکستان کی

نظر ثانی اساس کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ برصغیر ہندو پاک کی تاریخ شہد ہے کہ برطانیہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے ہی اس خط پر آمستہ آمستہ اپنا تسلط قائم کر لیا تھا موجودہ دور میں اب صرت اشتراکیت پر یقین رکھنے والے ہی نہیں بلکہ وہ عناصر بھی جو اشتراک کی نظریہ کے مخالف ہیں اس امر پر متفق نظر آتے ہیں کہ کسی ملک کی سیاست مقامی معیشت کی تالیف ہوتی ہے۔ لہذا مذکورہ بالا معاشی اعداد و شمار کی روشنی میں یہ تصور کر لینا کہ پاکستان ایک آزادانہ سیاسی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔ خود قریب کے سوا کچھ سچی نہیں۔ پاکستان کے وہ بڑے بڑے سرمایہ دار اور تاجر جو بیرونی سرمایہ کے اشتراک سے صنعتی اور تجارتی اداروں کو چلا رہے ہیں۔ یقینی طور پر پاکستان کی داخلی اور خارجی پالیسیوں پر اثر انداز ہوتے رہیں گے اور حتی الوسع اس بات کیلئے کوشاں رہیں گے۔ کہ ملک کی پالیسی میں کوئی ایسا موڑ نہ آئے پائے جس سے ان کے حلیفوں کے مفاد پر زور پڑے۔

اگر نجی شعبے کے علاوہ سامراجی ممالک سے سرکاری سطح پر حاصل کئے ہوئے قرضوں کی مالیت کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ پاکستان کے بیشتر سیاستدان داخلی طور پر ملک میں نجی ملکیت کے فروغ کیلئے اس قدر کیوں سرگرم عمل نظر آتے ہیں اور خارجی پالیسی میں ہمارا جھکاؤ سامراجی ممالک یا مخصوص امریکہ کی طرف کیوں ہے جبکہ امریکہ کی دوستی کا بھرم کب کا کھل چکا اور وقت نے ثابت کر دیا کہ امریکہ کو نہ تو مثبت سیاسی اصولوں کا پاس ہے اور نہ ہی وہ حقیقی دوست کی طرح پاکستان کے آرٹے وقت میں اس کے کام آسکا ہے نہ آسکے گا۔

اب تک کے تمام حکمرانوں نے ناقص پالیسیوں پر عمل کرتے ہوئے پاکستانی عوام کا رواں دواں قرضوں میں جکڑ دیا نظر اسی نوبت آتی معلوم دیتی ہے کہ قرضوں کے سود کی ادائیگی کیلئے مزید قرض لینا پڑے گا۔ پاکستان میں وسائل کی کمی نہیں ہے۔ پاکستان کا اصل اور قیمتی سرمایہ یہاں کے بارہ کروڑ عوام ہیں جن کی محنت کو یہ آسانی ملے گی سرمایہ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ ملک کو ترقی کی راہ پر چلانے کیلئے یہ ضروری نہیں کہ سامراجی ممالک سے سرکاری اور نجی شعبہ میں بارہ کروڑ عوام کا استحصال کر نیکے لئے سرمایہ درآمد کیا جائے۔ یہ فوری اور بنیادی ضرورت ہے، منصوبہ بند معیشت کی جس میں پاکستان کی مجموعی افرادی قوت کو کام پر لگا کر مثبت نتائج برآمد کئے جائیں تاکہ قوم اور ملک کے بنیادی مسائل حل ہو سکیں ہمیں احساس ہے کہ یہ کام موجودہ حکومت کے بس کا نہیں۔ لیکن اس سلسلے میں بعض ابتدائی کام ضرور کئے جاسکتے ہیں۔ نجی شعبے میں بیرونی سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اس سے نہ صرف یہ کہ محنت کشوں کے بے دریغ استحصال میں کمی واقع ہوگی بلکہ اس طرح ملک سے ناجائز طور پر زرمبادلہ کی منتقلی کو بھی کسی حد تک روکا جاسکتا ہے۔ کیونکہ زرمبادلہ کی ناجائز منتقلی میں بیرونی پارٹنر ہی زیادہ مہم و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ قومی سرمایہ دار کو اس بات کے مواقع میسر آئیں گے کہ وہ اپنا محدود سرمایہ پیداواری عمل میں لگائے کیونکہ سیردنی سرمایہ کاری کی موجودگی اجارہ دار سرمایہ دار کیلئے قومیت کا باعث ہے اور یہ دونوں قومی سرمایہ دار کو چلنے کا کوئی موقع نہیں دیتے۔ پاکستان کے محنت کش طبقہ کا ادلیں تضاد سامراجیت جاگیردار اور اجارہ دار سرمایہ داری سے ہے۔ اس تضاد کو حل کرنے اور ان رجعت پرست طاقتوں کے غلبے کو ختم کرنے کے لئے وقت کا تقاضا ہے کہ عوامی

مطالبات کی فہرست میں بیرونی سرمایہ کی صنعتی کو خاص مقام دیا جائے۔

بدتر از گناہ

سامراج کے نمک خوار جب سامراج کے خلاف بولنے پر مجبور ہو جائیں تو دوی نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ اول یہ کہ سامراج کی دو شکوہ بولوں میں سے ایک پر زیادہ نظر التفات ہے جبکہ دوسری سے سرد مہری برتنا شروع کر دی گئی ہے۔ یہ سرد مہری اگر اس کے ساتھ برتی جائے جس پر چند دن پہلے تک دل و جان سے فریفتہ ہوں تو ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ رد عمل بھی شدید ہوگا، اور الفاظ میں تو اڑن بھی برقرار نہ رہے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سامراج کے ریشہ دوانیاں کچھ اس حد تک بڑھ جائیں کہ راز ایک کھلی ہوئی حقیقت کی طرح سب کے سامنے آجائے اور سرحد طے کی طرف سے لعنت ملائی ہونے لگے ایسی حالت میں تمنا خواروں کو بھی عوام کے سامنے اپنے بغیر غیری کا بھرم رکھنے کیلئے دے الفاظ میں تھوڑی بہت تنقید کرنی پڑ جاتی ہے۔

ملک کے یا شعور دانشوروں، ادیبوں اور سیاسی رہنماؤں نے امریکہ کی جانب سے پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت پر امریکہ کی مذمت کی تھی۔ اور اس امر پر گہری تشویش کا اظہار کیا تھا کہ امریکی سفارت خانے کے کچھ افسران مختلف لوگوں سے مل کر ایک مخصوص سیاسی جماعت کے حق میں تبلیغ کر رہے ہیں۔ امریکہ کے خلاف اس قسم کے الزامات کو عام طور پر بائیں بازو کے انتہا پسندوں کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں پر محمول کیا جاتا رہا ہے لیکن اس مرتبہ جماعت اسلامی کے ایک اہم رہنما کی جانب سے داخلی معاملات میں امریکہ کی مداخلت کے خلاف جینٹل لب خاصی اہمیت کی حامل ہے۔ امریکہ کے خلاف بیان کا حشر کہ جذبہ سمجھا جائے یا زمانہ سازی بہر حال یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ خصوصاً پاکستان میں موقع انتخابت کے مرحلے پر امریکہ خاموش تماشائی کا کردار ادا کرنے کے حق میں نہیں۔ گہرے برس ایوب خان کی آمریت کے خلاف عوامی اُبھار کے دوران یہ خبریں عام تھیں کہ ایک امریکی بینک سے کروڑوں روپے نکلوا کر یہ رستم تحریک میں دایں بازو کی طاقتوں کو آگے بڑھانے اور بائیں بازو کی جماعتوں میں اندرونی طور پر انتشار پھیلانے کیلئے صرف کی گئی تھی۔ امریکی سفارت خانے نے ان الزامات کی تردید کی ہے کہ امریکہ کے سفارتی عمل کے ارکان مختلف مقامات پر جا کر لوگوں کو عوامی لیگ کے حق میں ووٹ ڈالنے پر آمادہ کرنے کی کوششوں میں مصروف تھیں تردید یہ بیان میں کہا گیا ہے کہ سفارتی عملہ معمول کے مطابق اپنے فرائض سرانجام دے رہا ہے اور مختلف لوگوں سے رابطہ کا پس منظر سیاسی نہیں۔

اسی طرح امریکی سفارت خانے کی جانب سے پاکستان اور بھارت کے متعلق امریکی پالیسی کے بارے میں صدر ٹکسن کے اس بیان کی وضاحت بھی کی گئی ہے جس پر نصف حلقوں کی طرف سے اعتراض کیا گیا تھا اور جسے پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی مذموم کوشش قرار دیا گیا تھا۔ سفارت خانے کی طرف سے وضاحت کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ امریکہ پاکستان کے خود مختاری کا احترام کرتا ہے اور نہ صرف اس خود مختاری کی حمایت کرتا ہے بلکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ پاکستان کے عوام اور حکومت اقوام عالم میں اپنا جائز اور باوقار کردار ادا کریں۔ صدر ٹکسن کے بیان کا وہ حصہ بھی جاری کیا گیا ہے جو بدلتے ہوئے تنقید ناجس میں کہا گیا تھا کہ اگر پاکستان اور بھارت کی قومی تعمیر کی کوششیں ان طاقتوں پر غلبہ پالیتی ہیں جنہوں نے برصغیر کو تاریخی اعتبار سے تقسیم کر دیا ہے۔ اگر ان کی اقتصادی ترقی عوامی تقاضوں کے مطابق بڑھتی رہتی ہے اور اگر وہ آپس کی مزید ہنگامی عداوت کو ختم کر دیتے ہیں تو دونوں ممالک مستحکم امن کے دھماخے کے لئے اپنی وسیع توانائیوں کو استعمال کر سکتے ہیں۔ سفارت خانے نے کہا کہ اس بیان سے نہ تو یہ ظاہر ہو سکتا ہے کہ امریکہ پاکستان کی اصل بنیاد کھلتا ہے نہ ہی یہ بیان دونوں ملکوں کی کفایت ریشہ بنانے کی حمایت کرنے کے مترادف ہے۔ سفارتی نمائندے

کے مطابق اس بیان میں صرف اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ امریکہ کو قومی تعمیر کے مسائل حل کرنے کے سلسلے میں پاکستان اور بھارت کی مدد کرنے سے دلچسپی ہے۔ اس بیان کے ذریعہ پاکستان اور بھارت کی اقتصادی ترقی سے امریکہ کی دلچسپی کا اظہار کیا گیا ہے اور یہ امید ظاہر کی گئی ہے کہ وہ اپنے مسائل کا خود پراسن تصفیہ کریں گے۔ اور امریکی سفارت خانے نے دعویٰ کیا کہ صدر ٹکسن کے بیان کو پاکستان کی بنیاد کے منافی قرار دینا اور یہ کہنا کہ اس طرح پاکستان اور بھارت کے درمیان کفایت ریشہ کی توجہ نہ دے حمایت کی گئی ہے غلط تشریح کے مترادف ہے۔ بیان میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ پاکستان کے ساتھ امریکہ کا اشتراک بہت واضح ہے اور پاکستان کو وسیع پیمانے پر پسینے اور ب روپے سے زائد امریکی امداد مل چکی ہے۔

سامراجی ممالک میں ملاوٹ، لگاوٹ اور کھوٹ سیاست کا اہم جز و تقویر کے جاتے ہیں۔ مہم، غیر واضح، اور جھوٹ کی ذمہ داری ساخت کو فن سیاست کی مہراج سمجھا جاتا ہے۔ اچھا سیاستمدار وہی ہے جس کے الفاظ و بیان موقع محل کی مناسبت سے تشریح کی جاسکے۔ یہی فن اس وقت خاص طور پر کام آتا ہے جبکہ دو ممالک کے مفادات متصادم ہوں۔ اور دونوں کو خوش کرنا مقصود ہو۔ امریکی سیاست میں انکار کا مطلب اقرار اور اقرار میں انکار یعنی ہوتا ہے۔ امریکہ کی سیاسی زندگی میں کوئی فرد مسلسل کہتا رہے کہ اس کا ہمدردی انتخاب لڑنے کا مطلق ارادہ نہیں تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہمدردی کے لئے امید دار ہو گا۔ دیت نام میں اس کے قیام کی خواہش کا اظہار کیا جائے تو لڑتی ہے کہ کچھ ہنگاموں میں تیزی آجائے گی۔ عوام کی حمایت کے اعلان کا مطلب ہے کہ امریکہ اسرائیل کو مزید قومی ساز و سامان دینا چاہتا ہے۔ دہو ویشا کے نام تھا و اعلان چھوڑتا کی مذمت سے درپردہ اعانت مراد ہوتی ہے۔ یہی کیفیت بھارت اور پاکستان کی جانب امریکی رویے سے عیاں ہوتی ہے۔ منظر کے صفحات پر اکثر و بیشتر برصغیر میں امریکی حکمت عملیوں سے متعلق دلیل گفتگو کی جاتی رہا ہے۔ لہذا یہاں اس کا اعادہ مقصود نہیں، ہمیں تکرار سے عین بھارتی جا رجیت کے دوران امریکہ کے جائز اندازہ رویے کا ذکر بھی نہیں دھراننا، ہمیں سمجھنا صرف یہ کہ مذکورہ بیان میں بین ارب روپے سے زائد امداد دینے جانے کا حوالہ خالی از علت ہو کر نہیں۔ ایک طرف یہ عالم ہے کہ امریکی سامراج کی بدوردہ جماعت نے بھی ذبے الفاظ میں ہی سہی امریکہ کی پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت کی مذمت کی ہے۔ دوسری طرف حکومت پاکستان پر اسرار طور پر اب تک خاموشی اختیار کئے ہوئے ہے۔ ممکن ہے حکومت نے کسی تنہیر کے بغیر سفارتی نمائندوں کی سرگرمی اور صدر ٹکسن کے بیان پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہو۔ بہر حال عوام کے تجسس اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے حکومت کو چاہیے کہ وہ ان معاملات کے بارے میں اپنے رویہ کی وضاحت کرے کیونکہ سفارت خانے کا تردید کی بیان عند گناہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

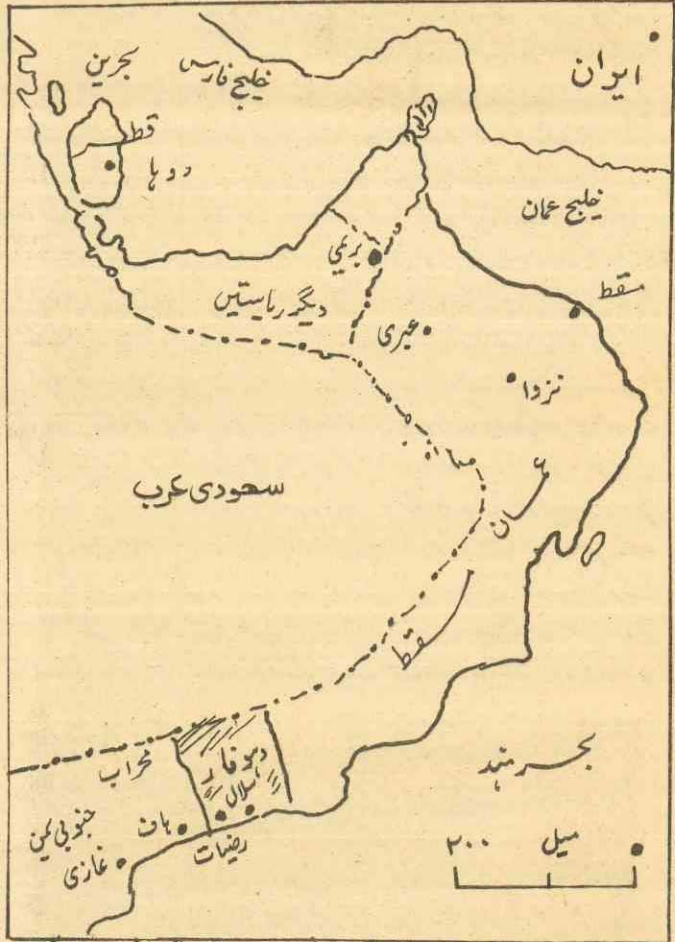
عوامی جمہوریہ چین کے خیر سگالی وفد کی آمد۔

ماہ رواں میں پاکستان میں شہنشاہ ایران، شاہ اردن اور عوامی جمہوریہ چین کی قومی عوامی کانگریس کی مجلس قائمہ کے وائس چیرمین جناب کوئو و ایک خیر سگالی وفد کے تشریف لائے۔

ایران، اردن اور عوامی جمہوریہ چین تینوں ممالک سے پاکستان کے تعلقات طے نوعیت بالکل مختلف ہے۔ ایران اتحاد و تلافی کا رکن ہے جبکہ اردن کے ساتھ پاکستان کے تعلقات اس وقت سے قائم ہیں جو وقت پاکستان کا شمار امریکہ کے حاشیہ سرداروں میں ہو کر تھا۔ ایران اور اردن دونوں امریکی گریپ سے وابستہ سمجھے جاتے ہیں اپنے دونوں ممالک کی حکومتیں عوامی جمہوریہ چین کو تسلیم نہیں کرتیں جبکہ ایران نے اسرائیل کو تسلیم کیا ہوا ہے۔ شہنشاہ ایران کی آمد کو اقتصادی طور پر باہمی اشتراک کو فروغ دینے کی کوششوں کا ایک سلسلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور شاہ اردن کی آمد تجارتی اور فنی تعاون کو آگے بڑھانے کا عمل کہیں تو بیجا نہ ہو گا۔ لیکن پاکستان

مسقط اور عمان

دھوفا کے عوام کی جدوجہد عالمی سامراج دشمن
محاذ کا درخشاں باب ہے



مسقط اور عمان کے مجاہدین کو بھیجا رہا ہے۔ ہونے لگا۔ یہاں پہلے سال ہو چکے ہیں۔ ان کی اکثریت کا تعلق صوبہ دھوفا سے ہے اور ان کی بہت بڑی تعداد سرکاری لوگوں اور تیل کمپنیوں کے ملازمین پر مشتمل ہے۔ باوجودیکہ انہوں نے سلطان سعید بن تیمور کی ظالمانہ حکومت کا تختہ الٹنے اور اس کے پشت پناہ برطانوی سامراج کی جارح افواج کو ملک سے نکالنے کے لئے ۱۹۵۸ء میں ایک خفیہ سوسائٹی کی بنیاد ڈالی تھی۔ لیکن ان دونوں ظالم قوتوں کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز انہوں نے جون ۱۹۵۸ء میں کیا۔ چونکہ خلیج فارس کی تقریباً سب ریاستیں غیر ملکی صحافیوں کی پیٹھ سے ناسر تھیں اور جنوبی عرب پر سخت برطانوی کنٹرول تھا اس لئے بیرونی دنیا

بنگ اس علاقے کے حالات کی بہت کم خبریں پہنچ پاتی تھیں۔ لیکن ۱۹۶۷ء کے اواخر میں ان ریاستوں سے ملحقہ علاقے جنوبی یمن کے حصول آزادی کے بعد، دنیا کو اس علاقے میں جھانکنے کیلئے ایک کھڑکی اور مجاہدین کو اپنی جدوجہد جاری رکھنے کے لئے ایک محفوظ علاقہ مل گیا۔

اس طرح سے مختلف قسم کے ہتھیار دھوفا کے پہاڑی علاقے میں پہنچنے لگے جن کے ذریعے اس پورے علاقے کو آہستہ آہستہ آزاد کرا لیا گیا۔ بیروت میں اس جدوجہد کی کامیابی اور برطانوی قابض فوجوں کی شکست کے بارے میں خبر نامے اور اخباری اطلاعات شائع ہوتی رہیں۔ زیادہ تر اس کی تفصیلی رپورٹیں ہفتہ وار اخبار ”حریت“ میں چھپیں۔ یہ اخبار عرب قوم پرستوں کا ترجمان ہے۔

صحرائے عرب کے جنوبی کنارے پر صرف قابل گزارہ آمدنی رکھنے والے تین لاکھ آبادی کا یہ علاقہ پہلی نظر میں معاشی اور فوجی اہمیت کے اعتبار سے انتہائی غیر اہم معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے ملکوں میں اور خاص طور سے واشنگٹن اور لندن میں مجاہدین کی کامیابیوں پر، جنہوں نے ملک کے دو تہائی حصے پر مکمل کنٹرول قائم کر لیا ہے، بہت بے چینی پائی جاتی ہے۔ ان سامراجی ممالک کو خطرہ یہ ہے کہ اس ریاست میں تیزی سے ترقی کرتی ہوئی تیل کی صنعت میں ان کے مفادات اگلے سال خلیج فارس کی ریاستوں سے برطانوی قابض افواج کے انخلا کے بعد انتہائی ناموافق سیاسی حالات میں گھر جائیں گے۔

پہاڑی علاقوں میں اپنی گوریلا جدوجہد کا آغاز کر نیکے بعد انہوں نے ستمبر ۱۹۶۸ء میں اپنی کارروائیاں تیل کی دولت سے مالا مال ریاستوں تک پھیلادیں اور اپنی تحریک کا نام بدل کر محاذ آزادی خلیج عرب رکھ دیا۔ جو مغربی صحافی آزاد علاقوں میں مجاہدین سے مل پائے ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ برطانوی سامراجیوں اور دیگر مغربی سامراجی ممالک کے خلاف مجاہدین کو عوامی جمہوریہ چین مادتی امداد دے رہا ہے۔

ایک خبر رسالہ ایجنسی کے نمائندے کے مطابق مجاہدین کو اپنی کامیابی کا مکمل یقین ہے کہ مشہد صدی کی بہت سی ناکام شدہ سامراج دشمن تحریکوں کی ناکامی کے باوجود اس بار حالات بالکل بدلے ہوئے ہیں یہ کہ اب عوام زیادہ بیدار اور ہتھیار بند ہیں اور ان سے بھی زیادہ اہم نقطہ یہ ہے کہ اب وہ شعوری طور پر متحد ہو کر سامراج دشمن جدوجہد کر رہے ہیں۔ عوام اور مجاہدین ایک جہتی کامیابی کے لئے چاہتے ہیں۔ خود اور گوشت اپنی ضروریات سے بچاتے ہیں۔ جب وہ متحد ہو کر جدوجہد کرتے ہیں تو سب مل کر اس وقت تک لڑتے رہتے ہیں جب تک دشمن کو مکمل طور پر نیست و نابود نہ کریں۔

اس عوامی جدوجہد کے نتیجے میں عورتوں میں بھی بیداری کی لہر دوڑ گئی ہے وہ سیاست کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور پڑھنا لکھنا سیکھنے کے لئے اپنے گھروں سے باہر آرہی ہیں، وہ اپنے مردوں کو مجاہدین کی صفوں میں شامل ہونے کی ترغیب دیتی ہیں مجاہدین کے لئے غذا پہنچاتی ہیں اور زخمیوں کی نگہداشت کرتی ہیں۔

دھو فار کے عوام کی یہ جدوجہد عالمی سامراج دشمنی محاذ کا ایک دشمن باب ہے جو اپنے محدود وسائل اور سامراجی اور مقامی رجحان پسندوں کے انتہائی دباؤ کے باوجود عالمی سامراجی نظام میں ایک رخنہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

فلسطینی عوام کی مسلح جدوجہد کامیابی سے جاری ہے

اسرائیلی قومیست پسندوں اور ان کے پشت پناہ امریکی سامراجیوں کے خلاف فلسطینی عوام کی مسلح جدوجہد کامیابی سے جاری ہے۔ پچھلے برس فلسطینی عوام کی مسلح افواج نے بہت سی سخت لڑائیاں لڑیں اور لائقہ اور فتوحات حاصل کیں۔ وہ اسرائیلی کی جارحیت پسندوں اور ان کے آقا امریکی سامراج پر سخت چوٹیں مار کر اسرائیلی - امریکی حملہ آوروں کے خلاف جدوجہد میں عرب عوام کی ہمتوں کو بلند کر رہے ہیں۔

پچھلے برس فلسطینی کے مجاہدین ایک وسیع علاقے میں کاروائیاں کر رہے تھے۔ فلسطینی عوام کی مسلح جدوجہد کے شعلوں نے اسرائیلی مقبوضہ علاقے میں شمال میں شام کی گولان پہاڑیوں سے لیکر جنوب میں یمنی عقیقہ میں ایلات کی بندرگاہ تک اور دریائے اردن کے مغربی کنارے پر داد کی بےسیاں سے لیکر مغرب میں نابلس کے پہاڑی خطے اور یروشلم اور دوسرے شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اسرائیلی حکمرانی کے تحت علاقے اور تل ابیب جو اسرائیلی حکمرانوں کا مرکز ہے تک مجاہدین کے حملوں کی زد میں آئے۔ ایک برس میں تین مرتبہ امریکی - ڈانس عرب بائیں لائن کپنی جو عربوں کے خون پیسنے پر عمل رہی ہے کی بائیں لائن کو مجاہدین نے اڑا دیا جس سے امریکی اجارہ دار سرمایہ داروں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔

فلسطینی مجاہدین کی مضبوط عات کے مطابق جنوری سے نومبر ۱۹۶۹ء تک انہوں نے ڈوئزر سے زیادہ حملے کرے جو ۱۹۶۸ء کے اعداد و شمار سے دو گنے ہیں آج کل فلسطین کے طول و عرض میں مجاہدین کی کاروائیاں جاری ہیں الفتح کے ایک خبرنامے کے مطابق "اسرائیلی مقبوضہ علاقے میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں مجاہدین نہ پہنچ سکیں"۔ اسی وجہ سے اسرائیلی وزیر دفاع نے بوکھلا کر یہ بیان دیا ہے کہ

"میں جون ۱۹۶۷ء کی جنگ سے لیکر اب تک ایک دن بھی چین کا نصیب نہیں ہوا ہے"

ناممکن اعداد و شمار کے مطابق فلسطینی مجاہدین نے پچھلے سال ۱۰ مقامات پر اسرائیلی قوت پانچنے کو تباہ کیا۔ پچھلے سال صرف ایک ماہ میں الفتح کے تحت العاصفہ کے مجاہدین نے ۱۱ - اسرائیلی فوجی دستوں کو منتشر کیا۔ یہ اعداد و شمار عوام کی مجاہدانہ عظمت کو مکمل طور پر واضح بنانے کیلئے کافی ہیں۔

صیہونیت اور اس کے پشت پناہ امریکی سامراج کے خلاف گوریلا جنگ نے عوام میں بے انتہا شعوری تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔

فلسطینی مزدور، کسان، فوجان اور طالب علم اور دوسرے عرب ملک کے عوام پابندیاں توڑ کر اور بے انتہا مصیبتیں جھیل کر، بسے بسے فاصلے طے کر کے فلسطینی مجاہدین کے بڑے جنگ کیمپوں میں بڑے جنگ لے کر مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو رہے ہیں۔ اس طرح فلسطینی عوام کی انقلابی مجاہد فوجیں روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔

فلسطینی مجاہدین، عوام سے مکمل طور پر مربوط ہیں۔ مجاہدین عوام کی اکثریت میں سیاسی پوسٹنگ نہ کرنے، گناہوں کو کھینچنے میں مدد دینے اور اختیار مجاہد دستوں میں منظم کرنے کیلئے ہر وقت مصروف رہتے ہیں۔ باوجودیکہ

اپریل ۷۰ء

اسرائیلی جارحیت پسندوں نے اپنی فاسٹی گرفت کو سخت سے سخت تر کر دیا ہے اور وہ ہر ممکن جارحانہ طریقہ استعمال کر رہے ہیں تاکہ عوام اور مجاہدین کا ناتہ ٹوٹ جائے لیکن عوام کسی بھی قسم کے تشدد کو خاطر میں نہیں لاتے اور مجاہدین کی امداد کرنے کے لئے اپنی جانوں تک پر کھیل جاتے ہیں تاکہ وہ دشمن کو برباد کر کے ہر موقع سے فائدہ اٹھائیں اور اپنی قوت کو مضبوط بنائیں۔

مسلح جدوجہد کے دوران فلسطینی عوام کو یہ بخوبی اندازہ ہوا تھا کہ یہ کدوہ صرت اپنے اتحاد کو مضبوط بنا کر اور مسلسل جدوجہد جاری رکھ کر ہی مکمل فتح حاصل کر سکتے ہیں۔ ۱۹۶۸ء کی ابتدا میں الفتح نے دوسری مجاہد تنظیموں کے ساتھ شامل ہو کر دشمن کے خلاف جدوجہد کرنا شروع کی۔ پچھلے اپریل میں الفتح کے مجاہد دستوں اور دوسری محب وطن تنظیموں نے باضابطہ طور پر فلسطینی مسلح کمان کی تشکیل کی۔ اگست کے شروع میں اس متحدہ کمان کے تحت کئی فلسطینی مجاہد دستوں نے شمالی اردن کی سرسبز وادی میں دشمن کی تعینات فوجوں پر حملے کئے۔ انہوں نے تین اہم اسرائیلی آڈوں کو برباد کر کے دشمن کو بے نکل منتشر کر دیا۔

فلسطینی مجاہدین اور دوسرے عرب ملکوں کے عوام کے مسلسل حملوں سے اسرائیل کا حال اتر ہو گیا ہے اور اب وہ سخت سیاسی، معاشی اور مالیاتی مشکلات میں گھر گیا ہے عربوں کے خلاف اسرائیلی جارحیت کے وقت سے اب تک مغربی ملکوں کی امداد کی وجہ سے اسرائیل کے فوجی اخراجات دو ارب تیس کروڑ امریکی ڈالر یعنی ۶۷ - ۱۹۶۷ء کے مجموعی اخراجات کے مقابلے میں دو گنے ہو چکے ہیں۔ بڑھتے ہوئے مالیاتی خسارے اور سخت معاشی مشکلات نے نہ صرف اسرائیلی عوام کے مصائب میں اضافہ کیا ہے بلکہ اسرائیلی حکمران طبقوں کیلئے بھی حالات کو بہت سنگین بنا دیا ہے۔ اسرائیلی وزیر اعظم گولڈا میر کے بیان کے مطابق "اسرائیل کو اب کرکست پر رہے گی۔"

فلسطینی عوام کی مسلح جدوجہد آزادی کے زور پکڑنے اور زبردست کامیابیاں حاصل کرنے کی وجہ سے امریکی سامراج اور سوشل سامراجیوں کے دل دہل رہے ہیں۔ جوتیل کے مسائل اور اہم مقامات پر قبضہ کرنے اور حلقہ ہائے اثر کو دوبارہ آپس میں تقسیم کرنے کے لئے مشرق وسطیٰ میں آپس میں ملکرانے کے ساتھ ہی ساتھ گھٹے جوڑ بھی کر رہے ہیں۔ وہ مشرق وسطیٰ کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کبھی کوئی ڈرانٹ پیش کرتے ہیں تو کبھی کوئی پلان پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور کبھی جاپاتوں کی ٹینگ "بلاتے ہیں تاکہ عرب ملکوں کو مجبور کر کے



نابلس کے طالب علم شہر یہ اسرائیلی غاصبانہ قبضہ کچلات مظاہرہ کر رہے ہیں

تمام دنیا کے امن پسند عوام فلسطینی عوام کی جدوجہد سے شدید بہرہ ور رہ گئے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ فلسطینی مجاہدین اپنے اتحاد کو اور زیادہ مضبوط بنائیں گے اور اسرائیلی - امریکی جارحیت پسندوں پر شدید ضربیں لگائیں گے اور تمام عرب عوام سے متحد ہو کر آخر تک اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔

بحرین میں عوامی جمہوریت یقیناً پڑان چڑھے گی

۱۹۵۶ء سے ۱۹۵۷ء تک کی تحریک اصلاح کے متعلق جو بحرن پرچی لاگو ہوئی تھی ایک سیاسی نقاد نے کہا تھا کہ ”بحرن کے عوام خلافت انگیز تھے جو برصغیر کی پالیسی اور دوسری طرف حکمران شیخوں کے اقتدار کو مضبوط کرنے کی کارروائیوں سے صرف یہاں کے ابھرتے ہوئے مزدور طبقے کا انقلابی جذبہ سبب رہا ہوگا۔ جو منطقی طور پر انقلابی تشدد کی راہ اختیار کرے گا۔“ صرف نو برس (۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۵ء) ہی گزرے تھے کہ پیشگوئی پوری ہو گئی اس کا ثبوت مارچ ۱۹۶۵ء کے خونی واقعات ہیں۔ تین ہفتے تک خلیج عرب کو جھنجھٹائے رکھنے والے ان واقعات کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے تیل کمپنیوں کے ٹیل چور سے حکمرانوں کے بے انتہا تشدد کے خلاف بحرن کے مزدور طبقے کی مجاہدانہ جدوجہد کی روشنی میں ان کی تحریک کے ارتقاء کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

بحری تجارت اور سمندر سے موزی نکالنے کی صنعت نے ملک کی معاشی ترقی میں انتہائی اہم کردار ادا کیا اور انہی دونوں صنعتوں کو ملک کی بعد کی معاشی ترقی کی بنیاد سمجھنا چاہئے۔ لیکن مزدور طبقے کے اتحاد کی بنیاد یقینی طور سے ۱۹۳۲ء میں تیل کا نکلتا اور صنعت کا تیزی سے ترقی کرنا ہے ابتدا میں مزدور طبقہ مذہبی اختلافات کی بناء پر سنی - شیعہ گروہوں میں بٹنوا تھا۔ اس کے باوجود کالے سونے کی دریافت نے مستقبل کے حالات و واقعات کو ایک نیا راستہ دکھایا کیونکہ کمالوں کی بہت بڑی تعداد نے روزگار کے لئے تیل کمپنیوں کا رخ اختیار کیا اور دونوں فرقوں کے افراد نے خود کو مشترکہ مفاد اور ضروریات زندگی کی مشترکہ جدوجہد میں مصروف پایا۔ اس کی وجہ سے زندگی کی بنیادی ضروریات کے حصول میں مماثلت سے دونوں فرقوں کا اتحاد لازمی ہو گیا۔ سنی اور شیعہ کے بجائے معاشی بنیاد پر ایک متحد طبقے کی حیثیت سے ان میں مشترکہ محنت کی ضرورت اور حالات کار و زندگی کو بہتر بنانے کا صحت مند شعور پیدا کیا۔

مزدور طبقے کی جدوجہد کی ترقی کی دوسری وجہ حب الوطنی کے جذبے کا واضح صورت اختیار کرنا ہے شروع میں اس کی حیثیت ایک نعرے سے زیادہ نہ تھی لیکن ۱۹۴۸ء میں عالمی سامراج کی پشت پناہی سے فلسطین پر صیہونی قبضے نے تمام عالم عرب میں ہجماں برپا کر دیا۔ اس سامراجی جارحیت کی وجہ سے بحرن کے مزدور طبقے کی تحریک میں مغربی اتحاد قائم ہوا تاکہ سامراج کے قبضے سے نجات حاصل کی جائے اور اپنے بنیادی حقوق اور اہم مفادات کی حفاظت کی جائے۔

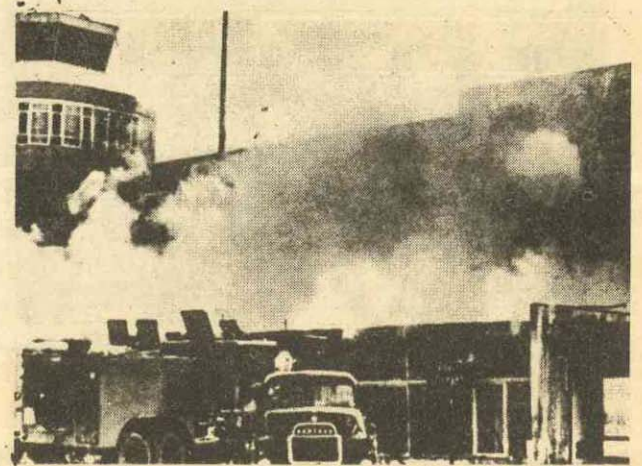
اس وقت بحرن میں تیل کی پیداوار تیس لاکھ ٹن سالانہ ہے یہ پیداوار کویت کے مقابلے میں (ایک کروڑ بیس لاکھ ٹن سالانہ) بہت کم تھے باوجودیکہ بحرن میں تیل کی دریافت نے کسی حد تک محنت کش طبقے کے حالات زندگی کو بہتر بنایا ہے۔ لیکن ایک ایسا ملک جسے پس ماندگی نے اپنا بیج بنا رکھا ہو اور جہاں سخت آمریت فم قبائلی منگھنی حکمرانی مسلط ہو، اور پٹرول کی پیداوار سے حاصل ہونے والے منافع ملک کے بہت بڑے حصے پر جس کا قبضہ ہو وہاں یہ تھوڑی بہت اس کی

”سیاسی حل“ تسلیم کر دیا کہ فلسطینی عوام کی مسلح جدوجہد کو ختم کر دیا۔ لیکن عرب عوام امریکی سامراج اور سوشل سامراج کے حالی میں کبھی نہیں پھنس سکتے۔ فلسطینی عوام اور مجاہدین کی سخت چوٹوں اور سامراجی سازشوں کا بھانڈا بھوڑنے کی کارروائیوں سے امریکی سامراج اور سوشل سامراج شکست پر شکستیں کھا رہے ہیں اور ان کے ”سیاسی حل“ کا دھوکا ناکام ہونا چلا جا رہا ہے فلسطینی مجاہدین کی جدوجہد کو ختم کرنے کے لئے امریکی سامراج اسرائیل کو اسلحہ اور ہتھیار پہنچانے کی زنت رتن کرنے کے ساتھ ساتھ عرب ملکوں میں مجاہدین کی کارروائیوں کو ختم کرنے کے لئے رجحیت پر مست عناصر میں دلال بھی تلاش کر رہا ہے۔ امریکی سامراج کی شدید کچھ عرب ملکوں میں رجحیت پسند عناصر نے فلسطینی مجاہدین کی کارروائیوں پر پابندی لگانے کی کوشش کی لیکن مجاہدین نے عرب عوام کی عظیم اکثریت میں پھیل کر امریکی سامراج کے ان گھناؤنے منصوبوں کا کلا گھونٹ دیا۔ اپنی تمام سازشوں کی سخت اکامی کے باوجود امریکی سامراج نے ابھی کچھ دن پہلے اسرائیل اور اردن کے لئے ایک نام نہاد ”تجزیہ“ پیش کی تھی تاکہ دونوں ایک دوسرے کے علاقوں پر تشدد کی کارروائیوں پر پابندی لگادیں

یہ عرب حائل میں رجحیت پسند عناصر کو فلسطینی مجاہدین کے خلاف اس کے ایک اور امریکی سامراجی سازش تھی۔

سوشل سامراج نے ہمیشہ امریکی سامراج کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر فلسطینی عوام کے خلاف سازشیں کی ہیں۔ اس نے ہمیشہ فلسطینی عوام کی جدوجہد آزادی سے خوفزدہ ہو کر اسے ”دہشت پسند کارروائیوں“ کا نام دے کر بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے وہ کافی بدنام بھی ہو گئے ہیں حال ہی میں سوشل سامراجوں نے اپنی جالیں بدلنے کی کوشش کی ہے۔ اور انتہائی منافقانہ انداز میں فلسطینی عوام کی جدوجہد کے ”بہرہ“ کا بہرہ پھرا ہے۔ لیکن یہ سب پروا خیز ہے کہ وہ یہ سب کچھ صرف اس لئے کر رہے ہیں کہ مجاہدین کے دستوں پر کنٹرول حاصل کر کے انھیں مشرق وسطیٰ میں امریکی سامراج سے اپنی سودے بازی میں استعمال کریں تاکہ فلسطینی عوام کی جدوجہد آزادی کو سرد کر کے امریکی سامراج سے مل کر مشرق وسطیٰ کے حصے بخرے کر ڈالیں۔

لیکن فلسطینی اور عرب عوام روز بروز بیدار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ نہ امریکی سامراج اور نہ ہی روسی سوشل سامراج کے ”خوبصورت“ الفاظ پر یقین کرتے ہیں نہ ان کی دھمکیوں سے مرعوب ہوتے ہیں نہ امریکی سامراج کے جبروت تشدد کے آئے سرہ کھانے ہیں۔ وہ مضبوطی سے اپنے ہتھیاروں کو تھامے ہوئے ۱۹۶۰ء میں انتہائی جو ش و خروش سے داخل ہوئے ہیں



اسرائیلی - امریکی جارح افواج کا لڑا ایر پورٹ مجاہدین کی زد میں

سہولتیں تمام سماجی برائیوں کو ختم کر کے عوام کی مکمل فلاح کی ضمانت کے لئے کافی نہیں تھیں۔ برطانوی ہفتہ وار رسالے "اکٹا مسٹ" (۲۱ جولائی ۱۹۵۵ء) کے مطابق پخلیج عرب کی ریاستوں میں قومی بحث اور حکمرانوں کے ذاتی بچے میں کسی قسم کا فرق محسوس کرنا انتہائی دشوار ہے۔ مختصراً اس مقابلتہ کی سید اور پر سامراجی چیمپنیوں کا ہیبت ناک استحصال اور شیخوں کی شاخ خرمیاں محنت کش عوام کے لئے مرے پر سودرے کا کام کر رہی تھیں۔

محنت کش اکثریت میں طبقاتی ستھور کی میداری میں یہ عوامل بیشک حقیقی محرک تھے لیکن عوام نے اپنی تنظیم کو مضبوط بنانے کیلئے ہر ممکن طریقے پر عمل کیا اور اپنے حالات زندگی کو بہتر بنانے کیلئے ہر قسم کی جدوجہد کی۔

تیل کی دریافت کے چھ برس بعد تک یعنی ۱۹۳۸ء میں بھی مزدوروں میں اپنے مطالبات کیلئے حصول کیلئے حکام پر دباؤ ڈالنے کیلئے مزدوری تجویزے کی کمی تھی۔ اس دوران شیخ کی حکومت شروع ہی سے مزدور تحریک کو اس کے گہوارے ہی میں دفن کرنے کیلئے سخت ہتھکنڈا اور ہیما نہ پر تشدد کا ردائیاں کر رہی تھی۔ انہوں نے مزدوروں کو نوکریوں سے نکالنا، جلیوں میں کھوٹنا اور ملک بدر کرنا شروع کر دیا یہاں اس بات کی نشاندہی انتہائی ضروری ہے کہ اس وقت کمپنی اور بحریں کی حکومت میں بحریں کرنا بہت مشکل تھا کیونکہ بالکل کمپنی ریاست کے اندر ایک اور ریاست بنی ہوئی تھی لیکن یہیں یہ امر جاننا بھی ضروری ہے کہ پخلیج فارس میں پہلی ہڑتال بھی یہیں ہوئی۔ ہڑتال کے ٹوٹنے اور تشدد کے پڑھنے کی وجہ سے بہت سے مزدور سعودی عرب ہجرت کر گئے۔ ہزاروں مزدور بحریں سے ہمسایہ ریاستوں میں چلے گئے جہاں تیل نکلنا شروع ہو گیا تھا اور یہاں حالات کار زیادہ موافق تھے۔ اسی دوران کمپنی نے باہر کے مزدوروں کو ترجیح دے کر درآمد کرنا شروع کر دیا۔ ان حالات سے ہندوستانیوں اور ایرانیوں نے بہت فائدہ اٹھاا اور مقامی باشندوں کو برباد کر کے ہزاروں کی تعداد میں بحریں میں آباد ہو گئے کیونکہ کمپنی کی نظر میں مقامی باشندے "شر پسند اور اپنے مطالبات میں ضدی" قرار دے چکے تھے۔

مقامی حکام کی کوششیں ہمیشہ ہی رہیں کہ مزدور متحد نہ ہو سکیں۔ چارلس بلگریف جو ۲۱ سال تک ۱۹۳۶ء سے ۱۹۵۷ء بحریں کا گورنر رہا، کہا کرتا تھا کہ "۱۰ مندان کا قائم رہنا امریکائیوں کے لئے بھی انتہائی ضروری ہے جتنا ہمارے لئے ہے"۔ بحال ان حالات کا مسلسل جاری رہنا بہت مشکل تھا چونکہ سعودی عرب ہجرت کرنے والے مزدور دہانے اپنے وطن آنا شروع کر دیا۔ اپنے موروثی گھروں کے قریب مستحکم حالات سے پر امید ہو کر ان میں سے بہت سوں نے سخت حالات کا رکوٹ بول کر کے ان کی کمپنی کی ملازمت پھر اختیار کر لی۔ دوسری طرف ایک کرڈر بس لاکھ ٹن سالانہ تیل صاف کر نیوالی آئل ریفائنری کے قیام کے بعد کمپنی کیلئے مقامی مزدوروں کو نوکر رکھنا ضروری ہو گیا تھا۔ چنانچہ سعودی عرب ہجرت کر جانے والے مزدوروں کی بہت بڑی تعداد اپنے ملک واپس آ گئی۔

اسی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ایک اصلاحی اور جمہوری قسم کی سیاسی تحریک بھی بڑھتی جس نے اپنی تنظیم بنا کر عمل شروع کر دیا۔ اس دوران نیشنل یونین کا قیام اور ملک کے سیاسی افاق پر تین سال تک اس کے اثرات صرف ارتقائی مراحل کا عکس تھے۔ بحریں جیسے چھوٹے سے ملک میں اس پالیسی کا کامیاب ہونا فطری اور منطقی تھا۔ چونکہ مزدور خود اپنی مادر وطن میں بے وقعت اور بے عزت کئے جا رہے تھے چنانچہ مزدوروں کو چینی کے غیر انسانی ریتے کیخلاف لڑائی لڑنے کیلئے نیشنل یونین ایک اچھا اھیٹ

معلوم ہوئی یہ مزدور ہی تھے جن کی طاقت پر پھر دوسرے کے نیشنل یونین حکام پر دباؤ ڈال کر اپنے مطالبات تسلیم کر داتی رہی دسمبر ۱۹۵۳ء کی ملک گیر ہڑتال میں جس نے ایک ہفتہ تک ملک کو مفلوج کئے رکھا مزدور طبقہ مرکزی کردار ادا کر رہا تھا۔

دسمبر ۱۹۵۳ء کی ہڑتال کے بعد حکومت نے ایک برطانوی ماہر کی خدمات حاصل کر کے بحریں میں ایک لیبر کوڈ بنی کر کے کا اعلان کیا۔ اسی دوران نیشنل یونین نے حکومت کی پیشگی منظوری کے بغیر بحریں کی محنت کشوں کی جھڑپوں میں "بنا نا شروع کر دی مزدوروں نے اس پالیسی کا بے مثال گنجوشی سے استقبال کیا تین ماہ کے قلیل عرصہ میں اس کے اراکین کی تعداد چودہ ہزار ہو گئی۔

تیسری سے بدلتے ہوئے حالات کو دیکھ کر اور زیادہ شدید حالات پیدا ہونے سے روکنے کے لئے مثلاً یہ کہ حالات کو بالکل قابو سے باہر ہونے سے روکنے کے لئے حکومت نے نیالیبر کوڈ بنانے کیلئے ایک کمیشن کی تشکیل کا اعلان کیا۔ اس کے فوٹو منڈولیں ممبر تھے۔

۱۔ تین حکومت کے نمائندے جن میں سے دو حکمران خاندان کے افراد اور ایک اعلیٰ برطانوی انسپکٹر تھا۔

۲۔ تین پرائیویٹ کمپنیوں کے نمائندے تھے۔ جن میں سے ایک باکوچینی سے ایک کوئی بڑا تاجر اور تیسرا کوئی مشہور ٹھیکیدار تھا۔

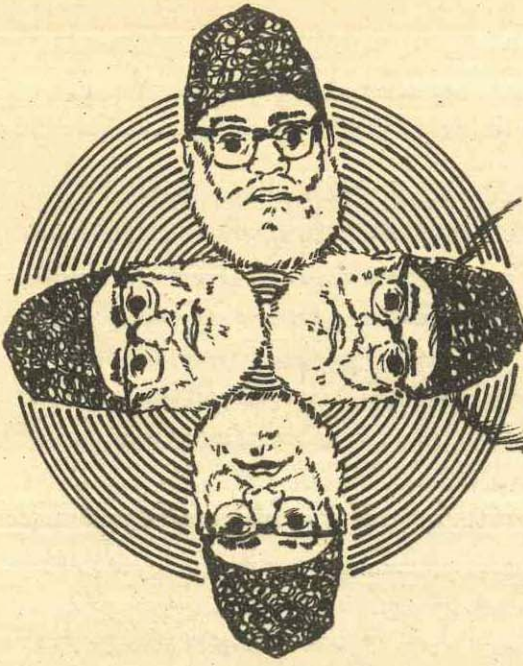
۳۔ تین باقی ماندہ نمائندوں کے لئے اس وقت یہ طے ہوا تھا کہ انھیں آزادانہ طور پر منتخب کیا جائے گا جن میں سے ایک تیل کے مزدور ونگا دوسرا سرکاری ملازمین کا اور تیسرا پرائیویٹ کاروباری اداروں کے ملازمین کا نمائندہ ہو گا۔ اس انتخاب کا نتیجہ بہت ہنگامہ خیز نکلا جس میں نیشنل یونین کے نمائندے نے زبردست کامیابی حاصل کی اور سرکاری انسپکٹور نے اتنی محنت ناکامی کا منہ دیکھا کہ اتحادی سو وولوں میں سے سرکاری نمائندہ صرف ۶۰ ووٹ حاصل کر سکا۔ (عبدالرحمن باقری کتاب "بحریں سے عربی الٹو تنگ صفحہ ۲۸۸)۔

لیبر کوڈ بنانے میں کمیشن کو اپنی نیم سرکاری نوعیت کی تشکیل کی وجہ سے ایک طرف تو محنت کشوں کے نمائندوں اور مخصوص مقامات کے نمائندوں کے درمیان اور دوسری طرف تو مخصوص مقامات کے نمائندوں کے درمیان مفاہمت کراتے ہیں سخت جدوجہد کرنا پڑی۔ کیونکہ ان میں کچھ کا خیال یہ تھا کہ کمیشن کا اختیار کو وہ راستہ ایک ایسے لیبر کوڈ کی طرف لے جائے گا جس سے ایک نئی ٹریڈ یونین تحریک کی داع میل پڑ جائے گی جن پر پخلیج عرب کی دوسری ریاستوں کو بھی عمل کرنا پڑے گا۔

اس لیبر کوڈ کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے لئے ۵۸ پیگس ہوئیں اور کمیشن نے اپنا عملی کام اکتوبر ۱۹۵۳ء تک جاری رکھا اسی دوران برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے متحدہ عرب جمہوریہ پر حملہ کر دیا جس نے اس وقت تک کی تمام کاروائیوں پر پانی پھیر دیا۔ اس کے علاوہ مغربی جرمانہ حملے خلاف احتجاجی مظاہروں اور حملے کے شکار عرب ملک کے عوام کے ساتھ مکمل تعاون کے شدید اظہار سے خوفزدہ ہو کر برطانوی سامراجی حکومت نے بحریں پر فوجی قبضہ کرنے کے متعلق چنانچہ تمام سیاسی اور ٹریڈ یونین لیڈر گرفتار کر لئے گئے اور بہت سے نوجوان اور جیلے کارکن بحریں سے ملک بدر کر دیئے گئے۔ اس کے بعد حکومت نے نیشنل یونین کو ختم کر کے کیلئے ایک پولیبل عرصے کی جدوجہد میں مزدور طبقے کے حاصل شدہ حقوق و مراعات کو کاغذی قرار دینے کے احکامات جاری کرنا شروع کر دیئے۔ اس طرح سے حقوڑے ہی عرصے میں انھوں نے یونین کو تباہ و برباد کر کے ایک و خوش بھر ملکہ عاید کی برطانوی فوجی سٹیکوں کے بل پر ایک فاشی اور آمرانہ حکومت قائم کر لی۔

اس کے باوجود اس میں قیاسی خیالات اصلاحی تحریک کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ جو چیز زیادہ قیاسی انگریزوں کے وہ بحریں جیسے شخص سے ملک کے عوام کا تنفیہ شعور ہے جس کے بل پر وہ ابھی تک بین ایسے و شمتوں کا مقابلہ کر رہے ہیں جو انتہائی بے عزتی سے انھیں اشتعال دلاتی رہتی ہیں جن میں تیل کمپنی، حکمران خاندان اور برطانوی سامراج شامل ہیں۔

لیکن اگر ہم ٹریڈ یونین تحریک کے ارتقاء کے موضوع کی صحت لو میں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں واقعات اور ان کے نتائج نے سخت انتشار پیدا کیا۔ ان کی وجہ سے مزدور



صاحب کا نفسیاتی تجزیہ

(پروفیسر صاحب کی کتاب "مزاج شناسی رسول" سے اقتباس)

بچپن کے حالات کے متعلق ایک چیز اور بھی لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ دوسروں کا حصہ لے لینے کی ہوس میں اپنے گھر میں سب سے چھوٹا تھا میرے ایک بھائی تھے جن چار برس بڑے تھے مجھے کھانے کی چیز ملتی تھی اس میں فوراً کھا لیتا تھا۔ مگر بھائی بھال کر کبھی اچھے وقت پر کھانے کے لئے اٹھا رکھتے تھے۔ اس طرح جو پیسے ملتے تھے میں ان کو بھی فوراً خرچ کر ڈالتا تھا۔ اور بھائی صاحب انھیں جمع کر کے کوئی اچھی چیز خرید لاتے تھے بس یہ میرے ادا ان کے درمیان بھگڑنے کی مستقل بنیاد تھی۔ میں ہمیشہ ان کے حصہ میں انہما حصہ وصول کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ بخوبی دیر مقابلہ کرنے کے بعد کچھ دیکھ میرے حوالے کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے اس طرح والدین کے حصے میں سے میں کچھ فیصدی کا مالک ہوتا تھا پچاس فیصدی اپنے حساب میں اور بچیس فیصدی بڑے بھائی کے حساب میں سے۔ (راہبشا)

اس کردار کے بچے کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ بڑا ہو کر کبھی اس مقام سے مطمئن نہیں ہوتا جو اسے معاشرے میں اس کی ذاتی قابلیت کی بنیاد پر ملتا ہے۔ وہ ہمیشہ اس کی کوشش کرتا ہے کہ وہ جو بلند مقامات دوسروں کو حاصل ہیں وہ بھی اس کے قبضے میں آجائیں۔

مودودی صاحب کے متعلق چراغ راہ بابت جون سٹوڈنٹ میں لکھا ہے کہ:-

ملا نا کا لکھنے پڑھنے میں بھی ایک خاص ذوق ہے۔ وہ ہر چیز اعلیٰ درجہ کی رکھتے ہیں۔ کاغذ، قلم، پینسل، فرنیچر، الماریاں، کتابیں، غرض کہ نفاست یہاں بھی پوری طرح موجود ہے۔ چنانچہ بعض دقیقاً قلمی قسم کے لوگ ان کی اس عادت کو غیر اسلامی سمجھتے ہیں۔ اور ان کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ یہ علماء کی خصوصیات نہیں رکھتے۔

اعلیٰ درجہ کی چیزیں | نفاست پسندی اور حسن ذوق قابل ستائش جوہر ہیں لیکن نفاست اور شے ہے اور ہر چیز اعلیٰ درجہ کی رکھنا اور شے۔ نفسیاتی طور پر اس کی تہ میں بھی وہی جذبہ کار فرما ہوتا ہے۔ جسے (SELF-DISPLAY) کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور حسن کا تقاضا ہے آپ کو نمایاں کرنا ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی اس رجحان کا ان کی کبھی عزیمت میں گزاردہ نہیں ہو سکتا۔

یہ میں مودودی صاحب کے وہ نفسیاتی رجحانات جن کا علم خود ان کی اپنی تحریروں سے ہوتا ہے۔ ان کے قیام حیدرآباد کے دوران میں جب نیشنلسٹ علماء کا طبقہ مقہور و قہریت (نیشنلزم) کی تحریک کو آگے بڑھا رہا تھا۔ مودودی صاحب نے متحدہ قومیت کے خلاف

کمی تحریک کا مطالعہ کرنے کے لئے اس کے داعی کی نفسیات کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے خود نبی اکرم کی زبان مبارک سے یہ بھلوا یا قد لبثت فیکم عمر من قبلہ اخلا تعقلونا میں نے تمہارے اندر اپنی ساری عمر بسر کی ہے میں پیداؤش سے لیکر اس دعوئے رسالت تک تمہارے پاس رہا ہوں کیا تم میری زندگی سے اس کا اندازہ نہیں لکھ سکتے کہ میری اس دعوت کے فکرات کیا ہیں؟ واضح ہے کہ اس مطالعہ سے مقصود کسی کی پرانہ پوریت زندگی کے اندر بھی لکھنا نہیں ہوتا بلکہ ان رجحانات و لحاظات کا متعین کرنا ہوتا ہے جو اس تحریک کے ستون بنتے ہیں۔ اسلامی جماعت کی تحریک کے داعی سے سید ابوالکلا علی مودودی صاحب کی زندگی کے حالات پچھلے دنوں اس جماعت کے مختلف رسائل و جرائد میں لکے ہوئے ہیں۔ ان میں بعض ٹکڑے ایسے ملتے ہیں جن سے ان کے نفسیاتی رجحانات کا صاف صاف پتہ چل جاتا ہے اور جو یہ متعین کر دیتے ہیں کہ اس تحریک سے (مغوری یا غیر مغوری طور پر) ان کا مقصد کیا ہے۔ مودودی صاحب اپنے بچپن کے حالات کے متعلق لکھتے ہیں کہ:-

مركز زنگاہ بننے کی ہوس | مجھے سب سے زیادہ لطف اس وقت آتا تھا جب میں پیدا ہوتا تھا جب مجھے کوئی چوٹ لگ جاتی تھی اور میرے والدین میرے لئے پریٹان ہوتے تھے۔ اس لطف کی خاطر میں اپنے آپ کو کبھی جان بوجھ کر بھی خطرے میں ڈالتا تھا۔ (چراغ راہ جولائی ۱۹۵۷ء)

جن سطح میں حضرات کے نزدیک اس قسم کے واقعات محض بچوں کی باتیں ہوتے ہیں جن سے انسان دل ہلا سکتا ہے وہ تو اس حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے۔ لیکن جن حضرات کو علم النفس سے کچھ دلچسپی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ بچپن کی یہی خصوصیات وہ بنیادیں ہوتی ہیں جن پر انسان کے پیکر کوئی پوری عمارت استوار ہوتی ہے۔ آپ علم تجزیہ نفس (PSYCHO-ANALYSIS) کے ماہرین کی کتابوں میں دیکھیں یا اگر آپ کے قریب کوئی ایسے صاحب ہوں تو ان سے پوچھیں کہ جس بچہ میں وہ نفسیاتی رجحان موجود ہو جس کا ذکر مودودی صاحب نے کیا ہے اس کی سیرت کی نمایاں خصوصیات کیا ہو کر پائی ہیں۔ وہ آپ کو بتائیں گے کہ کتنا بوجھ کی رو سے بچہ میں اس رجحان کا نام (SELF-DISPLAY) ہوتا ہے۔ اور اس رجحان سے والدین کی ہمیشہ خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی توجہات کا مرکز بنا رہے۔ اور اپنے ہم عصروں میں نمایاں مقام کا مالک بن جائے۔ وہ جس طرح بچپن میں اپنے گھر والوں کے توجہات کو اپنے طرف متوجہ کرنے کے لئے جان بوجھ کر خطہ مول لے لیتا ہے اسی طرح بڑا ہو کر اپنے نفسیاتی تقاضے کی تکمیل کے لئے ہر حربہ استعمال کر لیتا ہے۔ مودودی صاحب نے اپنے

مالی مشکلات

لکھنا شروع کیا اور اس طرح انھیں سیاسی حلقوں میں مقبولیت حاصل ہو گئی۔ لیکن وہاں مالی مشکلات اس قدر بڑھ گئیں کہ حکومت کے لیے حد پریشان تھے۔ ترجمان القرآن کی اشاعت چھ سو کے قریب تھی جس میں سے تین سو ریاست

خریدی تھی اور تین سو عام خریدار ریاست نے اپنی خریداری بند کر دی تو باقی تین سو خریدار رہ گئے۔ جن کا جو بھی چند اٹھارہ سو روپے سالانہ ہوتا تھا۔ اس اٹھارہ سو میں سال بھر کے بارہ پرچے شائع کرنا ہی ناممکن تھا۔ چنانچہ اس سے موہودی صاحب اپنے گزاردے کی صورت پیدا کر سکتے ایک عطاہ کی چھوٹی سی دوکان میں موہودی صاحب کا کچھ حصہ تھا اور یہی کچھ ان کے معاش کا آسرا تھا۔ لیکن اس کی آمدنی بہت قلیل تھی (یہ تمام باتیں خود موہودی صاحب اس زمانہ میں بیان فرمایا کرتے تھے) ہمارے نزدیک غریب ہونا کوئی جرم نہیں۔ لیکن ان کی زندگی کے جو حالات ان کی جماعت کے جرائم و رساکی میں شامل ہونے میں درجائے وہ ان کے اپنے قلم سے لکھے گئے ہیں یا دوسروں کی طرف سے) ان میں ان باتوں کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ ان معاشی مجبوروں کی وجہ سے انہوں نے حیدر آباد کو چھوڑ کر شمالی ہند کا رخ کیا۔ یہاں آکر وہ دارالاسلام (چھان کوٹ) میں کس طرح پہنچے اور کس طرح وہاں سے نکلے ہیں ان تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن وہاں ان کے اندر جو تبدیلی پیدا ہوئی اس کا بیان کرنا ضروری ہے۔ دارالاسلام پہنچ کر انھیں معاشی پریشانیوں کی طرف سے ذرا احت فیسب ہوئی تو ان کا وہ جذبہ پھر ابھر۔ یہی حال تھا کہ اپنے لئے ایک نمایاں مقام حاصل کرنا تھا۔ اس وقت ان کی ظاہر اہمیت بالکل ایسی ہی تھی جیسی مسلم لیگ کے اکابر (مثلاً ذوالفقار علی خان مرحوم وغیرہ) کی تھی۔ سربراہ انگریزی بال طور پر بھی بالکل صاف سے پاؤں تک ولایت کا کوئی نشان ہمیت میں تبدیلی

اسک بھی نہیں تھا۔ انھوں نے پہلے سر کے بالوں کو چٹوں میں تبدیل کیا، داڑھی بڑھائی لیں ترشوائیں اور اس کے لئے اسلام لیگ قیادت کے خلاف یہ یہ آواز بلند کر دی شروع کی کہ یہ لوگ مغربی فیشن کے دلدادہ اور فرنگیانہ اشیاں کے پرستار ہیں اس لئے ان سے اسلام کی پیروی کی توقع کرنا خیال خام ہے۔ اس آواز پر وہ لوگ ان کی طرف کھینچنا شروع ہو گئے جو مسلم ہمیت کو سب سے بڑا قوتی اور خاص انداز کی شکل و شبابت کو جنت کی گنجی خیالی کرتے تھے۔ اس طرح اسلامی جماعت کی بنیاد پڑی اور موہودی صاحب نے اپنی مرکزی حیثیت کو ملنے کوئے اور لیگ کی قیادت کو ذیل کرنے کی عمر شروع کر دی۔ لیگ کی قیادت کی مخالفت ناممکن تھی جب تک خود پاکستان کے مطالبہ کی مخالفت نہ کی جاتی۔ کیونکہ اس وقت جناح اور پاکستان لازم و ملزوم ہو چکے تھے۔ چنانچہ موہودی صاحب نے اعلان لکھنا شروع کر دیا کہ:-

پاکستان کے مطالبہ کی مخالفت

مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے لئے اس مسئلہ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے نہ ہونا

میں جہاں جہاں مسلمان کثیر التعداد ہوں وہاں ان کی حکومت قائم ہو جائے۔

اور یہ بھی کہ:-

مسلمان ہونے کی حیثیت سے میری نگاہ میں اس سوال کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ ہندوستان ایک ملک رہے یا دوں ملکوں میں تقسیم ہو جائے۔

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پاکستان کی سرزمین حاصل ہو جائے تو پھر کوشش کر لی جائے گی کہ اسے اسلامی مملکت بنا دیا جائے اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ:-

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ایک دفعہ پھر اسلامی طرز ہی کا سبھی مسلمانوں کا قومی اسٹیٹ قائم ہو جائے پھر رفتہ رفتہ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعہ سے اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ مگر میں نے تاریخ، سیاسیات اور اجتماعیات کا جو مختصر اہم مطالعہ کیا ہے اس کی بنیاد پر میں اس کو ناممکن سمجھتا ہوں اور اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے تو میں اس کو ایک معجزہ سمجھوں گا۔

موہودی صاحب اور ان کی جماعت پاکستان کی مخالفت کے جہاں عظیم "میں مسلسل مصروف رہی لیکن جب ان کی مذہم کوششوں کے علی الرغم پاکستان وجود میں آیا تو یہ حضرات پاکستان میں آدھے اور ہندوستان کی طرف رخ نہیں کیا اس کی وجہ ظاہر۔ ہندوستان میں مذہب کے نام پر اس تحریک کو چلا کر حکومت کی کرسیوں کا حاصل کرنا ناممکن تھا۔ نہ انھیں وہاں معاشی سہولتیں



میر آسکتی تھیں۔ اس کا تجربہ حیدر آباد میں انھیں ہو چکا تھا۔ اس کے برعکس پاکستان سرزمین ان کے لئے بڑی سادگاہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ یہاں پہنچ کر انہوں نے اپنی قیادت بلند کرنے کے لئے طرح طرح کی اسکیمیں بنانا شروع کیں۔

جس کا ہم کچھ چکے ہیں کہ مسلم لیگ کے حامیوں میں اکثر یہ۔ ان کی تھی جن کی پوزر کمندار ذاتی جوہروں سے زیادہ موہودی دولت پر مبنی تھا ہرے کہ انقلاب کے بعد پہلے اقتدار انہی کے ہاتھوں میں آتا تھا اس کے ساتھ ہی جن حالات میں تقسیم ہوئی تھی، وہ اچھے حالات سے فائدہ اٹھا لیا

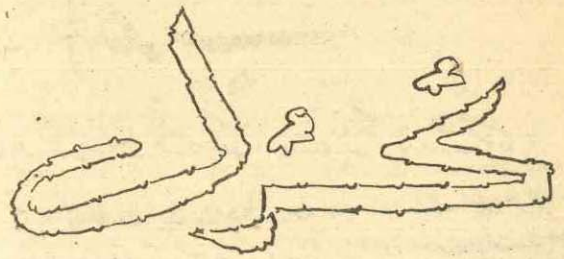
میں نہیں آتی تھی۔ اس پر ان لوگوں کی ذمگیانہ وضع قطع، موہودی صاحب نے ان حالات۔ فائدہ اٹھا لیا اور اپنی قیادت کو آگے بڑھانا شروع کیا جس کے بغیر ان کی سیرت کا لفظیاتی کسی طرح پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ جس شخص کے لفظیاتی رجحان یہ ہوں کہ وہ اپنے گرد و پیش لوگوں میں مرکز توجہ بننے کے لئے اپنے آپ کو جان بوجھ کر خطرے میں ڈال لے وہ اپنی قیادت قائم کرنے کے لئے کیا کچھ نہیں کرے گا۔ اور جو شخص لو جھک کر پچھتر فیصدی حصہ پر قائل نہ ہو گا عادی ہو وہ جوہری نظام حکومت میں اپنی اکثریت قائم کرنے کے خیال کو کس طرح چھوڑ سکتا پھر جو شخص اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی چیزیں رکھنے کا شائق ہو لعداس کے پاس حصول معاش اور کوئی ذریعہ نہ ہو وہ اس قسم کے ذرائع معاش کو کس طرح ترک کر سکتا تھا جس میں ہر برسے اور لوگ ہاتھ بھیجیں۔

مسلمان کے دل کی گڑبائیوں میں مذہب سے محبت ہے ان کا بیشتر حصہ مذہب کے پر بڑی سے بڑی قربانی کر دینے پر بلا تامل آمادہ ہو جاتا ہے وہ مذہب کے ایک خاص کو حقیقی اسلام سمجھتے ہیں۔ موہودی صاحب نے ان کے سامنے وہی اسلام پیش کیا اس سے یہ طبقہ نہایت ٹیک بیتی ہے ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ یہ ہے وہ طاقت جس کی بناء پر موہودی صاحب اپنی بوس اقتدار کی تسکین اور حکم از کم پچھتر فیصدی حصہ حاصل کرنے کے جذبے کی تسخیر اور اعلیٰ سے اعلیٰ چیزیں خریدنے کے وہ فی کی پروردی ہنگام سامان فرا کے چلے جا رہے ہیں۔ اور ان مسلمانوں کا یہ نکلنا اور نیک نیت مذہب پرست طبقہ یہ سمجھ ہے کہ یہ اللہ کے راستے میں جہاد کر رہے ہیں۔

مولویوں کے اندر ہا

وہ موہودی صاحب کی بوس "انا ابو جود لا غیر" کی کیفیت پر ہی قانع نہیں بلکہ مولویوں کے حلقے میں بھی اپنے آپ کو ان میں کا ایک سمجھتے پر راضی نہیں ہوتے پہلے تو انہوں نے کبھی کسی مولوی کو کلمہ نہیں لگا یا جب تک اس نے ان کے ہاتھ پر بیعت و امانت نہیں کر لی لیکن جب بعض سیاسی مجبوروں کی وجہ سے اکثریت علماء کی جماعت میں شامل ہونا پڑا تو ادھر ان کی طرف سے مرتب کردہ دستور میں سفارشات پر دستخط کئے۔ اور وہ اپنی طرف سے اٹھ نکاتی منشور الگ شائع کر دیا۔ اور اپنی جماعت سے یہ کہا کہ وہ اس آٹھ نکاتی دسے بعد میں نو نکاتی بنا دیا گیا تھا منشور کے مطالبہ کے لئے حکومت کو چھیال لکھیں اور ریڈیویش پاس کر میں یعنی اس میں بھی اپنی ہی قیادت کو آگے بڑھایا۔

ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ موہودی صاحب کے اراحت مندوں کے حلقے کو یقیناً ناگوار گزرنے کا اس لئے کہ وہ تو انہیں (فاران کے بیان کے مطابق) امام مالک اور امام احمد بن حنبل سے کم درجہ پر نہیں سمجھتے۔ لیکن ہم ان حضرات سے جو حقائق کا خالی الذہن ہوکا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں عرض کریں گے کہ وہ بخیر دیکھیں کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے اس میں کوئی بات حقیقت کے خلاف بھی ہے؟ دنیا کی تاریخ اس پر مشاہدے کے بعض افراد اپنے مخصوص جذبات کی تسکین کے لئے کس طرح قوم کی قوم کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں؟ یہی کچھ پاکستان کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ارباب حل و عقد میں صلاحیتوں کی پہلے ہی جی تو اس پر ان لوگوں نے مذہب کے نام پر مسلسل چھ بیرس سے ملک میں اس قدر ہڑلوٹنگ مچا رکھی ہے کہ کئی وقتوں پر ارباب نظم و نسق بوکھلا گئے ہیں ایک ایسا ملک جس میں آبادی کا بیشتر حصہ جذباتی ہو اور وہ مذہب کے نام پر بلا سوچے سمجھے سب کچھ کر دیتے ہر آمادہ ہو جاتا ہو اس ملک میں لوگوں کے جذبات کو (EXPLOIT) کرنے والے عناصر بڑی آسانی سے تخریب پیدا کر سکتے ہیں۔



کبھی تو مری زندگی کے افق سے چھٹیں گے یہ پرہول و خونیں اندھیرے
شب تار کے ملبے آنچلوں سے کہاں تک نہ برسیں گے نوری سویرے

گر نے بھی دے یہ غبارِ منظم نکلنے بھی دیں یہ سلسلِ اندھیرے
بڑی دیر سے منتظر ہیں ہمارے گلانی اُجالے شہابی سویرے

چل اپنے لئے اک نئی راہ ڈھونڈیں کریں کیوں محاذِ راجِ زمانہ
یہ دنیا کی رسمیں نہ تجھ سے نہ مجھ سے یہ دنیا کے بندھن نہ ترے نہ میرے

مجھے اپنے دامن کی پہنائیوں میں جگہ دے بھی دو اب سہری اُجالو
مری جستجو میں ہے ظلمت جہاں کی مجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں اندھیرے

وہ یوں روح میں ڈوبتے جا رہے ہیں وہ یوں میرے احساس چھلے ہیں
فضا میں دبے پاؤں سوچ کی کرنیں بکھر جائیں جیسے سویرے سویرے

لگانے بھی دے قہقہے آج اے دل جو گذرا سو گذرا جو ہو گا ہو گا
خدا جانے ہنسنے بھی دیں یا نہ دیں کل زمانے کے چکرِ مقدس کے پھیرے

زمانے نے لی کیسی کروٹ یہ حشری یہ کیا ہو گیا مسکراتے دلوں کو
جو انسان کبھی تھے امینِ محبت وہ انسان اب بن گئے ہیں لیڑے

یوں مرے دل کی لگی تقصیر منکر رہ گئی
زندگی خود حلفتِ زنجیر بن کر رہ گئی

بے ارادہ میرے لب پر نام ان کا آگیا
ساری محفلِ صورتِ تصویر بن کر رہ گئی

وہ مقام ضبط بھی آیا ہے راوِ شوق میں
بے زبانی عالمِ تقصیر بن کر رہ گئی

حضرتِ ناصح نصیحت ایک ہو تو سُن بھی لوں
آپ کی ہر بات ہی تقصیر بن کر رہ گئی

بڑھ گئی حد سے زیادہ گردشِ ایام جب
مٹتے مٹتے پھر مری تقصیر بن کر رہ گئی

ان کے رُخ سے اٹھ کے پردہ میری نظروں پر
اس طرح بھی دید کی تدبیر بن کر رہ گئی

آج تک موجود ہے دل میں غلشِ جاتی نہیں
وہ نگاہِ ناز گویا تیر بن کر رہ گئی



ریاست امب

(جہان کے عوام آج بھی غلاموں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں)

بہاؤں اور جنگلوں کی وہ سرزمین جسے کبھی ریاست امب کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ تدریجی اور تدریجی نشیب و نزاع کی آماجگاہ رہی ہے۔ تقریباً دو سو مربع میل کے اس مختصر سے رقبے میں کہیں سردیوں میں برف پڑتی ہے تو کہیں گرمیوں کا موسم دوزخ کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ کہیں جنگلی جانوروں اور درندوں سے بھرے ہوئے جنگلات نظر آتے ہیں تو کہیں دریائے سندھ کی ریت بنجر ہواؤں پر سوار سی کے بے ہونے کیے مکانات پر چھاپا ہو کر صحرا کا منتظر پیش کرتی ہے۔ جہی کہ یہاں کے معاشی، ثقافتی اور سیاسی حالات میں بھی کچھ اسی طرح کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ضلع ہزارہ، ضلع مردان، سوات، اور پسر علاقہ سے گھری ہوئی اس سابق ریاست کی تقریباً ایک لاکھ کی مختصر سی آبادی تنہی قوم کے نام سے پکاری جاتی ہے جس نے آج سے تقریباً چھ سات سو سال پہلے اس علاقے کو آباد کیا۔

سابق ریاست امب اپرمنڈل اور (Amby) کے علاقے پر مشتمل تھی۔ دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر امب کا کچھوں ریاست کا دارالخلافہ رہ چکا ہے اور مشرقی کنارے پر درہند کا تھہ ہے جو پوری ریاست کا باقی مرکز ہونے سے ساتھ ساتھ موجودہ نواب سر محمد زید خاں کی جائے رہائش کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہے۔ اسی قصبے کے شمال مغرب میں تقریباً تین میل کے فاصلہ پر موجود وہ نواب نے مشنیشن ہون کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اونچے اونچے محلات بنا کر فرید آباد کے نام سے شہر آباد کرنے کی کوشش کی۔ چلی لاتی دھوپ اور سخت سردی کے موسم میں گھسٹوں بیگار پر کام کر کے ایسے خون پسینے سے ریاستی عوام نے یہ عظیم الشان محل تیار کئے اور ان ہی عوام نے شہر، نواب کے خلاف بغاوت کے دوران اس ظلم و تشدد اور استحصال کی بنیاد پر تمام محلات سے اپنی محنت کا معاوضہ واپس لینے کی کوشش کی۔ آج کل ان پیرسوں پرانے کھنڈرات کا شبہ ہوتا ہے۔ سنا ہے کہ وہاں اب صرٹ جھپٹ بکریوں کے ریزو پالنے والوں کے کتوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ یہ کھنڈرات جہاں ظلم و استحصال کے مستقبل کی عکاسی کرتے ہیں۔ وہیں مظلوم کے انتقام کی منہ لولٹی تصویر بھی ہیں۔

تنہی قوم نے اسی علاقے میں آباد ہونے کے بعد انصاف و امن کی بنیاد پر کتری آئین کے یو تباہی نظام کی روشنی میں مشترکہ ملکیت کے زیر اصول پر ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جس میں قوم کے ہر فرد کو مساوی حقوق حاصل تھے۔ اسی لئے ہر فرد نے قوم کی بقا، اور آزادی کی خاطر اس دیران علاقے کو اپنی محنت سے قابل کاشت بنا کر شروع کیا۔ آہستہ آہستہ انسان کی محنت و سحر زمین پر مانات اور فصلوں کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ یہی دھڑے کے قریب تمام آبادی ک نون پر مشتمل ہے اور چھ سو سال کے طویل عرصے میں اس علاقہ پر کوئٹہ سیرونی حملہ کا مہاب نہ ہو سکا اور (نزدونی حالات میں بران رہے کیونکہ اس عرصے میں استحصال کرنے والا طبقہ وجود میں نہیں آیا تھا جو کسی قسم کی دلائی یا نڈاری کرتا۔ چونکہ تنہی قوم چھٹاؤن کی ایک شاخ ہے اس لئے شروع ہی سے تباہی نظام چلتا رہا۔ اور چند سماجی تقاضوں کو بھی پورا کرتا رہا۔ مگر ذرائع پیداوار کے وسعت، پیداوار کی ترقی، کچھ نئی سماجی ضرورتوں اور پنجاب کے جاگیرداروں

کے اثر کی وجہ سے قبیلے کے سردار کی جگہ نواب نے لی۔ لیکن پھر بھی حقو ملکیت پوری قوم کے پاس تھی۔ نواب صرف محدود اختیارات کا حکمران تھا۔ پنجاب کا ایک اور اثر یہ ہوا کہ پشتو اور پنجابی سے ملی جلی ایک زبان، متن وجود میں آئی۔ لیکن ثقافتی لحاظ سے تنہی قوم پنجاب سے کم متاثر ہوئی۔ ذرائع پیداوار کے سڑھنے کے ساتھ ساتھ نواب نے ذرائع پیداوار تنصہ کرنے کی کوششیں شروع کر دیں اور اپنے ساتھ ایک استحصانی ط پیدا کرنے کی غرض سے ادھر ادھر ہاتھ باندھ مارنے شروع کئے۔ اس وقت تک ذرائع پیداوار کسی ایک ہاتھ یا چند ہاتھوں میں جمع نہیں ہوئے تھے۔ قبیلے کے پاس مشر کہ اراضی تھی۔

حالات کا رخ اس وقت تبدیل ہونا شروع ہوا جب ۱۸۵۰ء کے دوران دادخاں اور اسی کے لڑکے اکرم خاں نے انگریزوں کی حمایت کر کے قوم سے کابوت دیا۔ انگریزوں نے نواب کی ناداری پر اعتماد کرتے ہوئے اسے حکمران کیا۔ اور اس کی مدد کرنے کا وعدہ کر کے نواب کے مفادات کے تحفظ اور کے حقوق غصب کرنے کے لئے سازش کی۔ سن ۱۸۵۷ء میں اپرمنڈل رگڑا سن ۱۸۵۹ء کے مطابق اپرمنڈل کو ضلع ہزارہ میں شامل کر کے نواب کو اردو کا نظم و نسق بھی مشروط طور پر سونپ دیا گیا۔ اردوں انگریز نواب دکارڈو ریاست امب میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ایک مہرہ چھاپا دیا۔ جسے خطابات سے نواز کر اس علاقے کے کاشت کاروں کی محنت بیک آت اٹکل میں پہنچانے پر مامور کر دیا گیا۔ مگر عوام کی یک جہتی کی وجہ سے حقوق ملکیت عوام ہی کے پاس رہے۔

نواب آٹ امب نے چند عوامین کو پیدا کر کے اپنی گرنٹ مضبوط کرنی کر دی۔ علاقہ نمناں میں ایک چھوٹی سی ریاست بھلڑہ کے وجود میں آئے وہاں کے خان نے کاشت کاروں پر مظالم ڈھانے شروع کر دئے تھے۔ کر دیکھ کر ہرزوزہ نے رنگ پکڑا۔ نمناں کے تمام علاقے میں اندھا دھند اور جبر و تشدد کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ بھلڑہ اور امب کی دیا میں دین کے چھوٹے رہنماؤں کی خدایات حاصل کی گئیں۔ مساجد اور مقدس مقامات میں جانکوں کو خدا کے نمائندے سے تشبیہ دے کر عوام کی ناداری اور تعظیم کی تعلیم دی گئی۔ مذہب کے نام پر ان نام نہاد مذہبی نے ہر طرح سے استحصالی طبقے کے مفادات کا تحفظ کیا۔ اس عرصے میں عوام اپنی جفاکشی اور محنت سے معجز زمین کا بہت بڑا حصہ ہسپانے ہوئے کھیتور باغات میں تبدیل کر دیا تھا۔ نئے حالات نے اس علاقے میں تباہی نظام کے اور جاگیردارانہ نظام کے پھیلنے پھولنے میں مدد دی۔ چونکہ نو آبادیاتی نظام کے لئے اس وقت جاگیردارانہ طرز معیشت بہتر ستون مہیا کر سکتی تھی۔ لئے انگریزوں نے ملک کے دوسرے حصوں کی طرح اس علاقے میں بھی نظام کو ختم کرنے اور جاگیردارانہ نظام کی ترقی کے لئے ہر ممکن مدد دی۔ اس یہ دور ایک عبوری دور تھا۔ یہاں کے عوام ایک طویل عرصہ تک نواب کو صرف کی حیثیت سے پیداوار کا دسواں حصہ (عشر) دیتے رہے۔ لیکن اس کا

جنوری ۱۹۵۱ء میں امب اور گردنواچ کے گاؤں نے پرامن ذرائع استعمال کرتے ہوئے اپنے قریباً ساٹھ ہائندوں پر مشتمل ایک دندیش در بھینے کا قصد کیا تاکہ اپنے مطالبات اعلیٰ حکام کے پاس پیش کر سکیں۔ ان کے وہی مطالبات تھے جو تمام ریاست کے گاؤں کے مطالبات تھے۔

- ۱۔ ریاستی عوام کو نواب کے ظلم و تشدد سے نجات دے دیے کے لئے نواب کی حکمرانی ختم کر دی جائے۔
- ۲۔ ریاست امب کو پاکستان میں مکمل طور پر مدغم کیا جائے۔
- ۳۔ جو لوگ نکالے گئے ہیں انہیں ریاست میں واپس آنے کی اجازت دی جائے۔ جن لوگوں پر تشدد ہوا ہے انہیں یا ان کے ورثا، کو معاوضہ دیا جائے۔
- ۴۔ حقوق ملکیت عوام کو دئے جائیں۔

مگر امب کے گاؤں سے جنمیل کے فاصلے پر موضع سٹھانہ میں اس وزیر نواب کے مسلح آدمیوں نے حملہ کر کے وفد کے لیڈر محمود خاں اور وفد کے دوسرے دو ارکان کو ہتایت میدردی سے وہیں شہید کر دیا اور بہت سے ارکان کو زخمی کر دیا۔ اس طرح غنڈہ گردی کے ذریعے اس وفد کو پٹ دہیچنے سے روک دیا گیا۔ اور ایک پراس "ذریعے نے تین آدمیوں کی قربانی لے لی۔ حقوق کے حصول کی راہ میں اس قربانی نے پورے علاقہ میں آگ لگا دی۔ گاؤں نے ایک نئے عزم اور دلوائے کے ساتھ جدوجہد اور تیز گردی۔ ادھر پھلڑہ کے موضع ٹھنڈی بنیالی میں ۲۰ فردری سٹھانہ کو پولیس گھروں سے مال مویشی چھین کر لئے گئے۔ کچھ آدمیوں کو بچوں سمیت گھروں سے نکال دیا گیا اور غجور کیا گیا کہ وہ سخت سردی میں کھلا آسمان کے نیچے رہیں۔ اس زیادتی کے خلاف اس علاقے کے باشندوں نے بطور احتجاج ہیاہ بٹ درجہ جانا کا قصد کیا تاکہ وہ اس ظلم سے اعلیٰ حکام کو آگاہ کر سکیں۔ ادھر تاقی ماندہ ریاست امب کے گاؤں اپنے حقوق کے لئے علم بغاوت بلند کر چکے تھے جس کی باداشی میں سنوری ۱۹۵۱ء کے تیسرے ہفتے میں ۵۸ گاؤں کوہری پور جیل بھیج دیا گیا۔

۴۸ گاؤں پر یہ الزام تھا کہ ریاست میں ان کی موجودگی کی وجہ سے نواب امب کے سابق نمبر پٹ کو خطرہ ہے اور امب سے قریباً ۳۵ میل دور حکومت کے ای اے سی نے ایک حبس نلم انہیں چھ ماہ سے لے کر درو سال تک قید کا حکم سنایا۔ یوں حکومت کی مشنری اور پولیس وغیرہ سب نے صرف نواب اور خاندان کے مفادات کا تحفظ کیا۔

۵ اگست ۱۹۵۱ء کو صوبہ سرحد کے وزیر اعظم خان عبد القیوم خان نے اس علاقے کا دورہ کیا۔ وزیر اعظم صاحب نے درمید آنا تھا جو دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے۔ دوسرے کنارے پر امب کا گاؤں ہے۔ امب اور اس کے گردنواچ کے قریباً تمام لوگ وزیر اعظم سے ملنے کی غرض سے امب میں جمع ہوئے۔ مگر نواب نے دریائے کشتی چلائی بند کر دی۔ جو کہ دریا پار کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ پھر بھی اپنے مطالبات وزیر اعظم کے سامنے پیش کرنے کے لئے کمری کے موسم میں طغیانی میں آتے ہوئے دریا کو اپنی زندگی پر کھیلے ہوئے تیر کر درمید پہنچ ہی آئے۔ وزیر اعظم صاحب نے وعدہ کیا کہ ان کے مطالبات پر ضرور فوراً غور کئے جائیں گے۔ مگر جو لوگ درمید گئے تھے۔ ان کی زمینیں چھین لی گئیں۔ جو لوگ واپس امب آئے۔ ان کو گرفتار کر لیا گیا اور سخت انداز میں دی گئیں۔ ان کے پورے کئے کو ڈرایا دھکا یا گیا۔ جو لوگ درمید ہی میں رہ گئے تھے ان کو ریاست بند کر دیا گیا۔

۲۲ نومبر ۱۹۵۱ء کو پیرنارل کے گاؤں کے ۵۰۰ ہائندوں کا ایک وفد ڈیجی کٹر ہزارہ سے ملنے گیا۔ مگر دند سے وعدے کر کے اور جھوٹی تسلیاں دے

کردار پس کر دیا گیا۔ کیونکہ حکومت کا مقصد اس طبقہ کے مفادات کا تحفظ جس کی وہ ہائندہ تھی۔ اس علاقہ میں گاؤں کی تحریک سے بڑے بڑے کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ اس لئے اس تحریک کو پورے ملک میں پھیلنے کا ان کو منظم ہر کردہ دھمکے سے روکنے کے لئے ہر ممکن طریقے اس علاقے کے گاؤں کی تحریک کو ختم کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ کی طرف سے کچھ دند کے لئے تشدد کا استعمال رک گیا۔ اور وعدہ۔ شروع ہو گئے۔ کیونکہ برسر اقتدار پارٹی کو انتخابات میں دند بھی ہ کرنے تھے۔

۶ دسمبر ۱۹۵۱ء کو امب کے گاؤں کا ایک اور دند ڈیجی کٹر ہزار مگر یقین دہانی کے علاوہ کچھ نہ ہوا۔ ادھر نواب نے موضع باگوسیر علاقہ فوج جمع کرنی شروع کر دی۔ کیونکہ امب کے علاقے سے اسے کوئی نہیں تھا اور حکومت کا ان کی توجہ ڈوڈ کی طرف مبذول کرا کے ان سے دند کر کے نواب کے لئے دند جھینا کر رہی تھی تاکہ وہ سنبھل سکے۔ اور نواب سنبھلے ہی ایک رات اس میں گاؤں کے ایک رہنما شیر زمان کے مکان لگا دی گئی۔

بٹیکلی (BETGALI) کے گاؤں کا محاصرہ کر لیا گیا۔ دوسرے دیہاتوں کا محاصرہ بھی شروع ہو گیا۔ نئے عوام نے حبس سے بچنے کی کوششیں کرکے ایک کامیاب علاقہ گروہوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ نواب اسلئے کے ضمیمہ ذخیرے کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ۷ دسمبر ۱۹۵۱ء کو نواب کے مسلح آدمیوں نے حملہ کر کے ایک آدمی کو ہلاک اور کئی آدمیوں کر دیا۔

۱۳ دسمبر ۱۹۵۱ء کو سٹھانہ پر دوبارہ حملہ ہوا۔ گاؤں کو بھیجے ہیاہ نواب کی کرائے کی فوج گاؤں میں داخل ہو گئی۔ گھروں کو آگ لگا دی گئی۔ پاکستان کے جھنڈے کو ایک کان کے گھر سے اتار کر بھاڑ کر پھینک دیا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو کئی دلوں تک بھوکا رکھا گیا اور ان کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا۔ نواب مسلسل ظلم و ستم کا مظاہرہ کر رہا تھا پاکستان کا نام لئے والوں کو اذیت ناک سزاؤں دی گئیں۔ اس جھجھ سے امب کے علاقے میں جس کا دھاس دقت نواب تھا۔ ہر ظلم و زیادتی اسحق لیکن حکومت کے کان پر جوں تک نہ رینگے بلکہ وہ نواب کا ساتھ دیتی رہے۔ ۱۷ جنوری ۱۹۵۲ء کو امب کے گاؤں کا ایک دند صوبہ سرحد کے خواجہ شہاب الدین کو ملا۔ گورنر صاحب نے کمیشن بھیجے کا وعدہ کیا جب وہ وعدہ کر رہے تھے۔ نواب کی کرائے کی فوج نے امب اور محقق علاء میں دہشت اور غنڈہ گردی کا بازو گرم کر رکھا تھا۔ گاؤں لیڈروں کے مرد کے بڑے بڑے انعام رکھے جارہے تھے۔

۲۰ فروری ۱۹۵۲ء کو نواب کے کرائے کے آدمیوں نے سٹھانہ پر ایک حملہ کر کے سٹھانہ کے ایک کان رہنما محمد اکبر کو شہید کر دیا۔ سمندر دلدشہ کے مکان کو آگ لگا کر وحشیانہ دند کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے دو بچے مکان کے اندر زندہ جلا دیے گئے۔ مال مویشی اور دوسری چیزیں لوٹ لی گئیں لیکن گاؤں کا ذخیرہ کم نہ ہوا اور یہ جدوجہد جاری رہی۔

آخر ۲۹ اپریل ۱۹۵۳ء کو گورنمنٹ ہاؤس پٹ دہیچ میں نواب آف امب نے حکومت پاکستان سے ایک معاہدے پر دستخط کئے جس میں یہ طے پایا کہ:-

- ۱۔ نواب اپنی حکومت کے فرائض ایک وزیر اور چار مشیروں کے ذریعے انجام دے گا۔ یہ مشیر اور وزیر ریاستی نظم و نسق کی نگرانی کیا کریں گے۔ ان چار مشیروں میں سے دو کو عوام منتخب کریں گے۔ اور دو کو نواب نامزد کرے گا۔

۲۔ نواب کے ذاتی اخراجات اور ریاست کے سرکاری اخراجات الگ الگ ہوں گے۔ مشیروں کی کونسل ان اخراجات کا انتظام اور نگرانی کرے گی۔

۳۔ سال کے شروع میں ریاست کا بجٹ تیار کیا جائے گا۔

۴۔ وزیر کا تقرر گورنر جنرل مغربی پاکستان کی منظوری سے کیا جائیگا۔ اس معاہدے کے تحت ریاست میں انتخابات بھی ہوئے۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟ وہ سب کے سامنے ہے۔ حقوق ملکیت کے مسئلے کو چھیڑا ہی نہیں گیا۔ کسانوں کو کچھ عرصہ تک ان ہی "انتخابات" میں مشغول رکھا گیا۔ کوئی کونسل و دس نہیں بنی بلکہ کسانوں کی جدوجہد میں سے وہ تیزی اور جذبہ دھوکے سے چرا لیا گیا۔ جن لوگوں کو ۱۹۵۵ء میں ریاست بدر کیا گیا تھا ان میں سے امب کے ایک باشندے اور کسانوں کے رہنما عبدالغفور کو اب بھی تک ریاست امب میں جاسے کی اجازت نہیں ہے جب سے لیگرائٹنگ آئیوٹی کسی حکومت نے بھی حقوق ملکیت کا فیصلہ نواب پاکانوں کے حق میں نہیں دیا۔ اگرچہ عملاً نواب کے ساتھ ہر حکومت کی ہمدردیاں ہیں۔

کچھ عرصہ ملکی انتخابات نے کسانوں کے حقوق ملکیت کے مسئلے کو سامنے نہ آئے دیا۔ اس وقت ملک میں جمہوری نظام حکومت رائج تھا۔ جب ریاست امب واپس تدارک کے کسانوں پر مظالم ڈھائے گئے۔ ان کے بیٹے، گولیوں سے چھلنی لگے، ان کے گھر جلانے گئے۔ ان کو بیدخل کیا گیا۔ ان کے بوی بون کو ناسایت سوزا ان میں ہینچائی گئیں۔ اس زمانے کے نوٹے بھرتے جمہوری ستون آج کل پھر ملکی سیاست میں نمودار ہو رہے ہیں۔ "جمہوری" نظام کا ڈھنڈا راجپوت رہے ہیں لیکن وہ اب ایسی "جمہوریت" کا دھوکہ محنت کشوں کو نہیں دے سکتے۔

بھرتے ۱۹۵۷ء کا آئین آیا۔ مگر ملک میں محنت کش طبقہ کی حالت دگرگوں ہوئی چلی گئی۔ کسان بھوک سے بچنے کے لئے شامی علاقوں سے کراچی جیسے صنعتی شہروں میں پہنچنے لگے۔ سرمایہ داروں کے لئے سمیٹ محنت مہیا ہونی شروع ہو گئی۔ خصوصاً مذکورہ ریاست اور علاقہ تدارک سے بہت سے لوگوں نے ہجرت کی کیونکہ نواب کے جبر و استبداد اور بھوک ننگ سے بچنے کا یہی ایک طریقہ تھا لیکن یہاں بھی اپنے حقوق کے حصول کے لئے پولیس کی گولیوں سے سامنے ہوا۔ یہاں بھی وہی نواب نے مگر ایک دوسرے پھینک دیے۔ ۱۹۵۹ء کے آئین نے بھی جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے حقوق کا تحفظ کیا۔ اور اس آئین کے دنا دار سیاسی رہنماؤں نے بھی محنت کشوں کو ردی، روزگار، کپڑا، تعلیم، مکان، دوا کچھ بھی نہیں دیا۔ اگرچہ دیابھی تو جھلی، گولیاں، تشدد اور دھوکا دیا۔

آخر کار ۱۹۵۸ء میں قریباً "میں ہزار" "مزارعین" نے تدارک و امب کے مختلف حصوں سے جمع ہو کر درہند کے مقام پر کیمپ لگایا۔ "مزارعین" کا پہلا مطالبہ اراضی پر ان کے حقوق ملکیت تسلیم کرنا تھا۔ ۸۰۰ نامزدوں پر مشتمل ایک وفد لاہور میں مغربی پاکستان کے اس وقت کے وزیر مال نواب افتخار حسین خان ممدورت سے ملا۔ "مزارعین" نے کہا کہ اگر ان کے مطالبات نہ مانے گئے تو وہ لاہور تک پیدل مارچ کریں گے۔ مالکانہ حقوق انہیں دینے کے بھر دے گئے تھے اور ان کی عمر دہائیاں حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ کیونکہ ملکی انتخابات قریب تھے۔ پہلے ہی سیاسی رہنماؤں نے اس علاقے کے کسانوں سے وعدے وعدہ کر کے دھوکے سے دھوکے حاصل کر لئے تھے۔ یہی حربہ وہ بھرانہا جاتے تھے کہ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں مارشل لا لگ کر ایوب خان نے عمان حکومت سنبھال لی۔

پاکستان کے دوسرے حصوں میں رہنے والے عوام کی طرح تدارک و امب کے عوام نے بھی سوچا کہ شاید حکومت عوام کی بہتری کے لئے کوئی کارنامہ سرانجام

دے دے۔ کیونکہ جمہوریت پسند سیاستمدان تو دھوکے سے دھوکے حاصل کرنا جانتے تھے۔ مگر اس آمریت نے بھی عوام کے حقوق کو جی بھر کر پامال کیا۔

۱۹۶۰ء میں جو زرعی اصلاحات نازک کی گئیں ان کا مقصد دراصل اس طرح بنایا گیا جیسے حکومت نے کسانوں کی حمایت میں ایک عظیم کارنامہ سرانجام دے کر ان کے تمام مسائل حل کر دئے ہوں۔ مگر جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور سامراج کی برادرہ حکومت محنت کشوں کے حقوق کو غصب کر کے انحصار کر سونے طبقوں کے مفادات کا تحفظ ہی کرے گی۔ نہ کسانوں کو ان کے حقوق واپس دلائے گی۔

جاگیر زرعی اصلاحات کے نام پر نوابوں، جاگیرداروں کے رشتہ داروں میں اراضی تقسیم کر کے حکومت نے ان کے لئے اس علاقے میں ایک بار پھر بھاری لگان وصول کرنے کے لئے طاقت استعمال کی۔ ایک بار پھر پھلڑہ میں گولیوں کی گونج سنائی دی۔ مگر اس دفعہ پاکستانی عوام بالکل بے جزربے۔ کیونکہ اخبارات میں ایسی "ڈراڈنی" خبریں شائع ہوئے سے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی نیندیں اڑ جاتی ہیں۔

کسانوں کی جدوجہد جاری رہی۔ حکومت اس آگ پر باراتات باقی بھی چھوڑ کر ریاضی الاستان میں کوشش کرتی رہی کہ پاکستان کے دوسرے حصوں میں یہ شعلے نظر نہ آجائیں۔ لیکن یہ آگ برابر جلتی رہی کیونکہ یہ کسی وقتی مصلحت کا تقاضا نہیں تھا بلکہ جاگیردارانہ نظام کے تحت استحصال و بربریت کے خلاف کسانوں کی ایک ایسی جدوجہد تھی جو اس نظام میں موجود تضادات کا منطقی نتیجہ ہے۔ ۱۹۶۸ء میں تمام ملک میں ایک عظیم عوامی اظہار کیا۔ آمریت دفن ہو گئی۔ اور ۱۹۷۱ء میں ملک میں دوسری بار مارشل لا نافذ کیا گیا۔

موجودہ ریاست امب کا قریباً ۱۲ مربع میل حصہ جو اندازاً پوری موجودہ ریاست کا رقبہ ہے۔ ترمیم کے بعد ۱۹۷۱ء میں ڈیم کی قبیل میں ڈوب جائے گا۔ اگر اس علاقہ کے حقوق ملکیت جن کے حصول کے لئے کسان ایک عرصے سے جدوجہد کر رہے ہیں۔ نواب کو دیدے جائیں۔ حبیب کہ سنگ بے کہ نواب سر محمد مزید خان نے سابق صدر ایوب کو ایک باغ عطا کر کے حقوق ملکیت سنبھال لئے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس پورے علاقہ کا مصادفہ نواب صاحب کی نذر کر دیا جائے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہاں کے عوام کہاں جائیں گے جبکہ ان کے پاس نہ کھانے کو کچھ ہو گا نہ پہننے کو۔ اسی خدشہ کے پیش نظر ایک بار پھر انہوں نے اپنے حقوق ملکیت کے لئے آواز بلند کی تو درہند نامہ، ڈان، کراچی ۲۳ اگست ۱۹۶۹ء میں ایک خبر شائع ہوئی کہ ریاست امب ۱۹۶۸ء میں ختم کر دی گئی تھی اور اسی وقت ۱۲ مربع میل کے اس علاقے کو نواب کی ذاتی جاگیر بنادیا گیا تھا حالانکہ حقائق اس کے بالکل برعکس تھے۔

ریاستی عوام کو ۱۹۶۹ء میں معلوم ہوا کہ ریاست ۱۹۶۱ء میں ہی ختم ہو گئی تھی حالانکہ نواب صاحب اب بھی حکمرانی کر رہے ہیں۔ اور اس اراضی کو نواب کے ملکیت قرار دیا جس کے لئے وہ ابھی تک جدوجہد کرتے چلے آئے ہیں۔ ان کے ساتھ سراسر نا انصافی اور ظلم ہے۔ عوام کے پاس ثبوت موجود ہے کہ حقوق ملکیت ان کے ہیں نواب صاحب صرف حکمران رہا ہے۔ اسے پیداوار کا ایک حصہ دیا جا رہا ہے جو کبھی دسواں حصہ بھی تھا۔ اب اس نازک لمحے میں نواب کو علاقہ امب کے جیسے جیسے کالک قرار دینا تاریخی حقائق کو چھٹلانے کے مترادف ہے۔ حقوق ملکیت ان ہی عوام کے ہیں جنہوں نے اپنی محنت و مشقت سے اس علاقے کو آباد کیا۔

وہاں کے عوام کو نواب پر یہ اعتماد بھی بالکل نہیں ہے کہ وہ مصادفہ لینے کے بعد ان کو کہیں اور آباد کرے گا۔ حکومت کو چاہئے کہ حقوق ملکیت ریاستی

عوام کو دے کر معاوضہ انہیں ہی دے۔ ورنہ ہزاروں افراد کی زندگیاں تباہ رہیں۔
برباد ہو جائے گا اندیشہ ہے۔ کہیں ایسا ہو کہ شہر کی تاریخ دوبارہ
دہری جائے جس کے لئے عوام ہرگز تیار نہیں ہیں۔

تناول کے دوسرے حصوں میں ابھی تک وہاں کے کان اپنے حقوق کے
لئے جدوجہد کر رہے ہیں جبکہ قریباً ۱۲ مارچ کے علاقے کے عوام کی جدوجہد
کا ایک باب ترسیلہ ڈیم کے ساتھ ختم ہو رہا ہے۔ اس طرح کی کانوں کی
جدوجہد کا جائزہ لینے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابھی تک وہاں کے عوام
کا کیا یہ کیوں نہیں ہوئے۔

اس مختصر سے سوال کا جواب اتنا مختصر نہیں۔ کیونکہ یہ علاقہ بھی اس
ملک ہی ہے جہاں جاگیردارانہ نظام کے استحصال لوٹ کھسوٹ اور جبر و استبداد
کا دور ہے بارہوں، کانوں، مزارعوں کی ایک بھاری اکثریت بھوک، تنگ
جھالت اور بیماری کا شکار ہے۔ بڑے بڑے زمیندار ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جاگیرداروں
نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے تنظیمیں بھی بنائی ہوئی ہیں۔ بہت سی سیاسی
جماعتیں بھی ان ہی کی سرورہ ہیں۔ حکومت بھی اپنے طبقاتی کردار رکھتی ہے۔
اب جبکہ سرمایہ داری بھی پوری طرح اپنا بھیانک منہ کھولے محنت کشوں کو
نفلت جاری ہے۔ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے ایک مکمل گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔
چند نام نہاد دینی علماء نے بھی کفر کے نعرے صا در کرنا شروع کر دیے ہیں۔
ان حالات میں محنت کشوں کا طبقاتی اتحاد ہی ان کو اس ظلم و استحصا
ل سے نجات دلوا سکتا ہے۔

علاقہ تناول و امب کی تاریخ صرف وہاں کے عوام کی تاریخ ہی نہیں
بلکہ جاگیردارانہ نظام تلے دے تمام کانوں کی تاریخ ہے۔ یہ جینرل، سوات
دیر اور دیگر ریاستوں کی تاریخ ہے۔ اس علاقے کے عوام میں تنظیم اور نیابت
کی کمی کی وجہ سے کان جموئے و جموئے علاقوں میں محدود وسائل کے ساتھ
منتشر طریقے سے مقامی خزانہ اور خزانوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ جن کے ساتھ
پوری حکومت بری۔ کانوں اور رہنماؤں کو توں بار جدوجہد کے آغاز ہی میں
شہید کر دیا گیا۔ جیلوں میں ڈال دیا گیا، یا ان کو ریاست بدر کر دیا گیا۔
حسبیک پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ ۱۹۵۱ء میں امب کے ایک کان رہنما عبدالغفور
کو ریاست بدر کیا گیا اور ابھی تک کسی حکومت نے انہیں ریاست میں واپس
جانے کی اجازت نہیں دی۔ خصوصاً ۱۹۵۸ء کے مارشل لا نے یہاں کے
عوام کو دھوکے میں رکھ کر ان کی جدوجہد کو بہت نقصان پہنچایا۔

پاکستان کی مختصر تاریخ میں جمہوریت کے تحت پارلیمینٹری سسٹم بھی
رہا، صدارتی نظام بھی رہا، ۱۹۵۶ء کا آئین بھی رہا۔ اور برائین ہر نظام
اور ہر حکومت نے محنت کشوں کے حقوق کو غصب کئے رکھا اور استحصال
کرنے والے طبقے کو کھلی جھپٹی دیدی۔ اسے استحصال اور ظلم و تشدد کرنے
کی سہولتیں بھی ہم پہنچی ہیں۔ جبکہ علاقہ تناول کے گذشتہ حالات سے
ظاہر ہے۔ جمہوریت پسند سیاسی رہنماؤں نے عورت و مرد حاصل کرنے کی
خاطر وعدے وعدے کیے۔

لیکن اقتدار حاصل کرنے کے بعد محنت کشوں کے ساتھ وہی سلوک
ردار رکھا۔ بلکہ کچھ بڑھ کر زیادتیاں کیں۔ کیونکہ محنت کش طبقے نے نام نہانہ
بھی استحصال کرنے والے طبقوں میں سے ہی منتخب ہوئے۔ اس استحصال
جبر و استبداد، بھوک، تنگ، جھالت، بیماری سے محنت کش طبقہ
اس وقت تک نجات نہیں پاسکا جب تک کہ مزدوروں کا زیر قبضہ
وہ منظم طریقے سے جاگیرداری اور سرمایہ داری کا خاتمہ نہ کر دے۔ اور اپنی
حکومت قائم نہ کرے۔

کیونکہ جب تک طبقات باقی ہیں۔ اس نظام میں وہی طبقہ برسر اقتدار
رہے گا جو رائج پیداوار برتائیں اور تشدد کے وسائل کا مالک ہے۔

سابقہ ریاست امب میں جس طرح جعلی اور مفاد پرست
نے کانوں کی جدوجہد میں رکاوٹ پیدا کرنے اور ان کی ملکیت کے
کی خاطر مذہب کو خزانہ اور لوہوں کے ہاتھ بچھ دیا۔ بالکل اسی طرح
بڑے پیمانے پر پورے ملک میں اب بھی ہو رہا ہے۔

کچھ لوگ "مذہب" کے نام پر جاگیرداری اور سرمایہ داری
فرسودہ نظموں کو باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب ریاست میں ک
گو لیاں برس رہی ہیں ان کے منہ سے ایک لفظ تک نہ نکلا۔ آ
محنت کش، طلباء اور دانشور ایک سلیبٹ نام پر منظم ہو کر ان
تظاہروں کی بیخ کنی کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ وہ اسلام خطرے
کا الارم بج کر استحصال کرنے والے طبقے کا حق تک ادا کر رہے ہیں
محنت کش مزدور اپنی اس جدوجہد میں کامیاب ہوں گے۔ اور ان طبقاتی
کو ختم کر کے ہی دلی نہی گے۔ تاریخ کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ فیصلہ جاگہ
سرایہ داری کے خلاف اور محنت کشوں کے حق میں ہے۔

بقیہ صحرا بہ صحرا کو بہ کو

طبقے کو پیچھے ہٹنا پڑا لیکن اس کے باوجود حکومت کو یہ محنت نہ ہوئی کہ مزدوروں کے
مطالبات کو مسترد نہ کر دے۔ چونکہ اکتوبر ۱۹۵۷ء میں نیالیہ کوڑا جاری کر دیا گیا تھا۔
مزدور طبقہ کی وہ تمام گزشتہ کامیابیاں اور حقوق سلب کر لئے گئے تھے۔ جو انھوں
بیلڈی میں کی رہتانی میں حاصل کئے تھے۔ کوڑی میں آزادانہ انتخاب اور حق ہڑتال
کر دیا گیا تھا۔

سیاسی طور پر دیکھا جائے تو ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۵ء تک کے ۹ برس کے دوران
میں حالات سے گزرا وہ انتہائی سخت اور شدید تھے۔ محنت کشین مخالف بے رحمانہ
اور ملک بدریوں کا جبر و استبداد سے مقابلہ کیا گیا۔ ان حالات میں یہ فط
تھا کہ ملک میں ختم ہو گئی کی اس بھر کے پیش نظر سیاسی سرگرمیاں خفیہ طور پر جار
جائیں۔ چنانچہ پوری عرب دنیا میں پھیلی ہوئی بیداری کی اسید پرور لہر نے بحرین میں ہم
اثر دکھانا شروع کیا اور لوگ دوبارہ متحد اور منظم ہونے لگے۔ تیل کچی نے دسمبر ۱۹۵۹ء
ہڑتال کے تجربے سے خوفزدہ ہو کر اپنے ملازمین کو سبوتاژ اور ہڑتال سے ہمدردی رکھنے کے
اوقات پر مبرطوں کو در آمد شدہ مزدوروں کو ہمدردی کرنا شروع کر دیا ۱۹۶۰ء میں سر
اعداد و شمار کے مطابق بحرین میں ۴۳۰۰۰۰ چکر ملکی اور ۳۱۲۳۱ مقامی مزدور تھے۔

مارچ ۱۹۶۰ء تک مبرطوں کے جانے والے مقامی مزدوروں کی تعداد ۱۵۰۰۰ ہو گئی۔ ا
دوران ملک کی سیاسی و فضا الہی گتھی تھی جس پر امن کی کھڑائی ہو۔ لیکن یہ طوفان کی آ
سے پہلے کا سکون ثابت ہوا۔ ۹ مارچ کو سیتل کے مزدوروں نے اپنے مبرطوں شدہ س
کی ہمدردی میں ہڑتال کر دی۔ طالب علم بھی مزدوروں کو اپنے مکمل قانون کا لٹین ملد
لنے کے ساتھ شامل ہو گئے اور پورے ملک میں زبردست احتجاجی جلسوں اور مظاہ
کا ہمگیر سلسلہ جاری ہو گیا۔ ۹ سال تک صورت کی خاموشی میں مبتلا لوگوں نے متحد ہو کر
زبردست احتجاج کیا اور سب نے ایک آواز ہو کر اپنی محنت کا استحصال کر۔
دلی محنت لاپٹی سیتل کمپنی کے خلاف، اپنے غضب شدہ شہری حقوق کے۔
اور جاہر حکومت کے دائرہ اختیار کو محدود کرنے کا مطالبہ کیا۔ لیکن مقامات پر
سامراجی قابضین ملے اخراج کے تشدد کے خلاف مزدوروں نے ہتھیار بھی استعمال
۱۹۶۰ء کے مقابلے میں یہ بحرین کی مزدور تحریک کا بالکل نیا پہلو تھا

ان حالات میں انہوں نے مختلف سیاسی رجحانات کے حامل گروہوں کو متحد کر
ایک عساکری تشکیل کی۔ محاذ نے مندرجہ ذیل مطالبات پر مشتمل ملٹی فٹو جاری کیا
۱۔ ملازمت سے مزدوروں کی یکطرفہ اور تجربہ مان مبرطی کا خاتمہ اور مبرطوں

۲۔ یونین بنانے کے حق کا تسلیم کیا جانا۔

استقامت



زندگی وقت کی مانند تروتازہ ہے
سطح آب پر جیسے کوئی شاداب کنول

خس و خاشاکِ ستم ہونگے فضا میں تحلیل
ارتقا و رد کے صحرا میں ہے سرگرم عمل

زندگی وقت کی مانند ہے مصروفِ خرام
اپنے دامن میں سینے ہوئے فردوسِ غزل

جن حسن و جمیت کا گل خوشتر ہے
زندگی ایک تسلسل کا حسین پیکر ہے

زندگی تو رچی دہم و گماں کے بندھن
زندگی جھیل چکی تیر غلامی کی چھین

لفظِ جاگیر ہے تاریخ کے صفحات کی نذر
سحرِ سرمایہ ہوا اپنے تصادات کی نذر

رسن و دار ہے کیا مقل و زنداں کیا ہے
جھوٹ کا کوہِ گراں جبر کا طوفان کیا ہے

نفرت و جہل و تعصب کے اندھیروں کا فوں
کب تلک جذب کرے گار گیا حس کا فوں

مسلم شہیم سے مسلط ہنگامی حالات کا خاتمہ اور آزادی اجتماع اور تقریر کی بحالی۔
تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی، ملک بدر افراد کی واپسی، پولیس کے تشدد پر پابندی
تیل بھجپنی کے انگریز اعلیٰ حکام کی برطرفی اور غیر ملکی جاسوسوں کی سرکوبی۔
یہ مطالبات جنہیں برطانیہ میں فرد کا ناقابلِ تہیج حق سمجھا جاتا ہے۔ انہیں
ایسٹ حکومت نے توڑ کرنے کے بعد مبالغہ آمیز قرار دیا۔ بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ
برطانیہ کی لیبر حکومت کم سے کم شہری حقوق کی بحالی کے لئے بحریں کی حکومت پر
باؤ ڈالے گی۔ لیکن یہ سب کچھ کرنے کے بجائے لیبر حکومت نے لوگوں سے
بھی زیادہ محتاط ہونے کا مظاہرہ کیا اور جب مقامی پولیس عوام کو نہ دبا سکی تو بے
رواں حکمران کو سہارا دینے کے لئے ملکہ عالیہ کی فوج کے دستے استعمال کئے گئے۔
اس کے نتیجے میں درجنوں افراد ہلاک ہوئے، سینکڑوں زخمی ہوئے اور لاتعداد افراد
ڈنکار کے جیلوں میں محوئس دینے گئے یا ملک بدر کر دیئے گئے۔

یہاں اس بات کا تذکرہ کر دینا انتہائی ضروری ہے کہ اس نیم مسلح عوامی جدوجہد کے دوران
فرین کی تاریخ میں ایک واضح تبدیلی آئی وہ تھی تحریک میں عورتوں کا حصہ لینا۔
جنوں نے اس تحریک میں ایک انتہائی اہم کردار ادا کیا خاص طور سے ان زخمیوں
اور یکے بیکال میں جنہیں کبھی ہسپتال میں داخل نہیں کیا گیا تھا۔ کچھ لوگوں کی نظر میں
عورتوں کا یہ اقدام ان قدیم روایات کی بے حرمتی سمجھا جوجو عورتوں کو غیر انسانی درجہ
دیتے ہیں اور مردوں کے برابر مقام دینے کو تیار نہیں ہیں جبکہ عورتیں سیاسی حقوق
جدوجہد میں مردوں کے دوش بدوش حصہ لے کر اپنی اہمیت اور افادیت کا ثبوت دیتی ہیں
اور دورانِ عوب دنیا میں ان عورتی واقعات کا سخت رد عمل ہوا جو اپنے وسیع جدوجہد میں
اس شخص سے خطے کو کشد سے نہ بچا سکی۔ برطانوی صحافتی حلقوں نے ان واقعات کو
بہت اہمیت دی بہت سے روزناموں نے ان واقعات میں مصفر سخت خطرناک صورتحال
اندازہ کرتے ہوئے سمجھدہ انتباہ جاری کیا اس کے ساتھ ہی ساتھ بے کردار اور جاہر
ان خاندان کی حکومت کو جاری رکھنے کو بھی ایسا خطرہ بتایا جو خود برطانوی مفادات
لئے بھی نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا۔ اس سلسلے میں اخباروں کی رائے یہ تھی کہ ہر
ت کا اس مقامی سخت بے چینی پھیلا سکتا ہے انہوں نے وین حکومت کو متنبہ کیا کہ ہمیں
فرین میں حالات کی نوعیت عدل کی مثال پر نہ چل نکلے باوجودیکہ عدل برطانوی
سامراج کی کالونی ہے اور بحریں ایک خود مختار حکومت ہے۔ عدل میں برطانوی
سامراج کا راج ہونے کے باوجود سیاسی حقوق ضبط نہیں کئے جاسکتے تھے۔ عدل کے
مراجی کالونی ہونے کی حیثیت کے باوجود ٹرڈ لوئین تحریک پر وہ پرتند و پابندیاں
ہیں تھیں۔ لیکن بحریں پر ایک وظیفہ غوار پالتو خاندان کی حکومت ہے جو عدل کی طرح
نے اعمال کے لئے برطانوی پارلیمنٹ کو جواب دہ نہیں ہے (روزنامہ گارجین ۲۸ مارچ ۱۹۶۸ء)

۱۹۶۸ء، روزنامہ آئرنزورڈ ۲۸ مارچ ۱۹۶۵ء
اسی دوران بحریں کے حکمران نے اپنے خاندان پر مشتمل ایک کمیشن ان حالات
قصیق کرنے کے لئے بنایا جس نے کچھ برطون شدہ مزدوروں کی ملازمت کی بحالی کی سفارش کی۔
بحریں کا حکمران اس کا بیٹا دونوں یہ سمجھتے ہیں کہ ہر عوامی جدوجہد کو خاندانی کمیشنوں
ذریعہ ختم کیا جاسکتا ہے۔ اور یہی پورے ملے کی خرابی کی جڑ ہے۔ لیکن یہ خرابی بحریں کے
نالی بلند اور جمہوریت سیاسی شعور رکھنے والے عوام کی بدتمیزی بن گئی ہے جن پر ایک ایسا
مقل جابر مسلط ہے جس کی ہم میں کوئی ایسی بات نہیں آتی جو خود اس کی مزاحمت
کاری کسی سے نہ بچ سکی ہو۔

چارے خیال میں یہ بات حالات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا نہ ہوگی اگر ہم کہیں کہ
ہیں میں ایک ایسا دھماکہ ہونے والا ہے جس کے نتیجے میں جہاں جمہوریت پر دان چڑھے
ہیں میں بحریں کے تحت کش طبع کو تمام جائز حقوق حاصل ہوں گے اندھ جوائن کی
منشات کے صین مطابق ہوگی۔



ٹھہرے کی بوتل

اری۔ او۔ نصیبین! ذرا دوکپ پکڑنا ہمارے یہاں یہاں آئے ہیں۔

۔ کون ہے۔ ری۔

۔ بادا کے دفتر ہی کے ہیں شاید ان کے صاب ہیں۔

چوٹے پر بری چائے اپنے گچی۔ سوئچی سوئچی خوشبو سارے باورچی خانے میں پھیل گئی۔
لیکن باورچی بچہ عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔
گفتن میں ہے باورچی خانے میں۔

دھوئیں سے سیاہ دنا بیک دیواریں۔ چینی کا بھانگ سا پرمٹھ کھولے جیسے ابھی اس کو نکلنے لگا۔ ٹوٹے ہوئے چوٹے میں لگتی لکڑیاں اور ان سے نکلتا کڑوا سا دھواں۔ باورچی آنکھوں سے پانی بہتا رہا۔ جیسے وہ زندگی بھر اپنے مقدر پر روتی رہے گی۔ مقدر۔ یہ سیاری۔ یہ تاریک دیواریں۔ چھت کے کونوں میں اچھے مکرئی کے جانے۔ ٹوٹا پھوٹا چوٹھا کمرے کے کونے میں رکھے ڈھیر سارے گندے برتن۔ کپ ٹوٹے۔ ڈھکنے والا تین۔ دیوار کے ساتھ لکڑی کے تختے پر بے ترتیبی سے بکھرے مرج مصلحے کے پیسل ڈبے۔ بغیر ڈھکنے کے جن میں دھوئیں کی راکھ بھی تھی۔ یہ دھواں۔ یہ راکھ۔ یہ سیاری۔ یہ تاریکی۔ باورچی اس باورچی خانے کے تاریک حوالے سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ مگر کہاں۔ نہیں نہیں۔ نہیں۔ اس ایوارہ نصیبین کے پیچھے سے چلنے لگتی لکڑی کی دیوار پر باورچی خانے کو لپیٹ دے گی۔ سیاہ دیواریں چھپ جائیں گی۔ مگر۔ یہ دیواریں تو دھوئیں سے بھر سیاہ ہو جائیں گی۔ ان دیواروں کا مقدر ہی سیاہ تھا۔

باورچی نے کیا کچھ سوچتی رہی۔ چوٹے پر کبھی دیکھی میں چائے ابل پڑی۔

۔ ارے باورچی! بہت دیر کر دی۔ بوڑھا کھانا ہوا باورچی خانے آگیا۔

۔ بادا چائے تیار ہے۔۔۔ جلدی سے دیکھی جو تیری تو بھاپ سے ابلتو جل گیا۔ سراج چائے دوسرے کمرے میں لے گیا۔ باورچی انگلی نہیں دبائے پردے سے بھاگنے لگی سانپ کے کھٹ پر سوٹ ملا باورچی بھاگتا تھا۔ اونچی ہوئی ٹاک۔ کشادہ پیشانی۔ سر پر کچھ لکے بال۔ سانپ سے تو بچا ہی نظر آتا تھا۔ ٹوٹے شیشے کی عینک کے پیچھے سے بھانکتی اندر کو دھنی دھنی نکلتی تھی۔ مگر اسالو لاروپ۔ وہ کوئی تیس سے تھوڑا اور پر کا تھا۔

میز کے سامنے تائی پر بیٹھ سراج ڈبے سے بسکٹ نکال کر پیسل میں بکیر لے لگا۔ سراج چاچا۔ اب ٹوٹل MAMA کا کام بہت بڑھ گیا ہے۔ سنپنگ SPINNING کا نیا سیکشن بھی چلو کر گیا ہے۔ آج کل قبائلی فرصت نہیں ملتی۔ پرسوں بیٹھا تھا تیار رہا تھا۔ کہ جاپان سے اور بھی مشینیں لائی جا رہی ہیں۔

۔ صاب! انا سیٹھ ٹراٹھ لک بندہ ہے۔ اتنا بڑا سیٹھ ہو کے مل کا کھدر رہنا ہے۔ مگر بول کا نہایت کھال رکھتا ہے۔ اپنے شہو کے لئے اس کی کوٹھی کیا تھا۔ اسے فوراً مل میں بھرتی کر لیا۔ اور اسے اڑھائی روپے کا ریٹ دیدیا ہے۔

”کھدرا کھس رکھے اسے“

”چاچا آپ کا کڑا کبھی مل میں ملازم ہے۔؟“

۔ ہاں! بلینچنگ (BLEACHING) سیکشن میں کام کرتا ہے بوڑھا سراج بسکٹ چائے میں گول گول کر پیتا رہا۔ اور جب وہ بات کرتا۔

۔ تو چائے میں گھلے بسکٹ اس کے ٹوٹے دانوں کی دواؤں سے بہہ نکلتے اور قہقہے پر ہلکی سی لکیریں پھیلتے چلے جاتے۔

۔ اچھا سراج اب چٹا بول۔ تیر کبھی آدلی گاتا۔

۔ بابو! آپ بہت اچھے ہیں۔ جو ہم گریوں پر دیا کرتے ہیں۔

۔ سراج! حقیقت تو یہ ہے۔ کہ خلیوں اور پیارا کر ہے تو ان مزدوروں میں ہے۔ مگر یہ تو ان گھٹے تارک رکافوں میں ہے۔ یہ اور اگر شاتی ہے۔ تو بھوک میں ہے۔

یہی ہے بابو۔۔۔ سراج بول پڑا۔

۔ ہاں صاحب! میرا کام نہ بھولے گا۔ باورچی جہاں تک بڑھی ہو صاحب سیٹھ سے بات کرنا۔ سنلے۔ سنپنگ میں لڑکیاں بھرتی کی۔ سراج اسے کبھی کے کھنے تک چھوڑنے آیا۔

وہ سنپنگ سیکشن کا سپر وائزر تھا۔ سیٹھ کا منظور نظر۔

کوئی بھی نہ تھا۔ رتن بابو۔۔۔ کے نام سے مشہور تھا۔ ننخواہ معقول تھا۔

صرف ہونٹ کا تھا۔ جہاں وہ رات گئے تک گم صم بیٹھا رہتا کبھی کبھی سندھ کے

جلا جاتا رات گئے تک۔ واپس لوٹا۔ تو ٹھہرے کی بوتل۔

کی سیات سی زندگی میں معمولی سا ارتقا پیش پیدا کرتی۔ مگر دوسری بھر وہ

تھکی مشینوں کی گڑگڑاہٹ میں ڈوب جاتا۔ اس کی سیار۔

سی۔ زندگی تھی۔ کس بھری زندگی۔ انیوں کی طرح ایک تھکے تھکے احساس تا

دبار تھا۔ انیونی۔ جو کب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنی زندگی میں نہ بھونکتا رہتا۔

ایک دوندہ اس زہر میں گھل گھل کر ختم ہو جاتا ہے۔ مگر انیوں کی کس ادراشنگی پر

رہتی ہے۔ وہ بھی زندگی کی گولیاں ایک ایک کر کے ہضم کرتا جا رہا تھا۔ تنگی جرمی

کئی دفعہ اس نے سوچا کہ شاد دیکر لے۔ دوجا ہر بات بھی چلی۔

تلفات بڑے۔ لیکن۔ انیوں۔ کس ادراشنگی۔

سراج سے اس کا خاصہ میل جول تھا۔ کبھی کبھی وہ سراج کے یہاں

پرسوں پیسے سگرت بھونکتا۔ اور خاموش سا واپس آ جاتا۔

۔ ان دیران۔ تاریک گلیوں سے کافی حد تک مانوس ہو جاتا تھا۔ ٹاٹ کے پرد

پچھے سے بھانکتے پیروں کی خاموش کپ نیوں کو وہ اکثر بڑھ لیا کرتا۔ جب بھی وہ سراج

یہاں جاتا۔ تو تھار میں دوزخ بھیلے کو اڑدوں کے پردے ہلتے۔ کئی دواؤں سے باہر جھ

سریک ٹھکے کے لئے نظر آتے

اور پتے پردوں کے پیچھے گم بھٹتے۔ سرگوشیاں سی اچھتی۔ اور کئی

دیواروں کی منڈیروں سے ابھرتی۔

۔ بھیا۔! یہ گوراعینک والا سپر وائزر باورچی کے یہاں کیا لینے آتا ہے۔

۔ کیا جانا آتا ہے۔ لوگ کے دیدوں میں جاپا نہیں رہی۔

۔ تھکا کوٹھ پر کوئی نہیں بٹھا۔ دیتا باورچی۔ کھن کا لے گی۔

رتن کان نیے کے گزر جاتا۔ اس نے ابھی طرح باورچی کو دیکھا بھی نہ تھا۔ مگر

کے متعلق سوچا کب کچھ تھا۔

۔ میں کب تک بوتلوں میں بھٹکوں گا۔ میرا ایک چھوٹا سا گھر ہونا چاہیے۔

بلجھی اور خوبصورت لڑکی ہے۔ مگر سراج تو اسے مل میں بھرتی کرانے کی سوچ

کئی دفعہ اس نے سوچا کہ سراج سے بات کرے۔ مگر ابھی وہ

کوئی فیصلہ نہ کر پاتا تھا۔ کہ اسے ایک انیونی کی سی زندگی گزارنی چاہیے یا اس

زندگی میں بھی یہاں ہی رہنی چاہیے۔ اس کے گھر کے صحن کی ساری۔ تھنے تھنے بجے۔

بوس۔ آن کی ضد۔ رانی۔ گالیاں۔ لبورنی صورت دالے جیسوں۔

اور ان کی نکلے ہوئی جاپیے اور

بوڑھے سراج کے لئے باورچی سے بھی بھاری تھی۔ بوڑھا باورچی ابھرتی جو ان

بوجھ تلے دبا جا رہا تھا۔ وہ یہ سوچ کر باورچی کو گھر بلاتا تھا۔ کہ شاید اس کے اس بوجھ

کو سہارا مل جائے۔

شہو کا کیا تھا۔ لڑکا ہی تو تھا۔ دوجا رسالہ کنوارہ رہ گیا تو کیا نہ



پڑے گا۔ مگر باتو کا مسئلہ تو کچھ ہے کہ اس تازہ ترین ذہن کی طرح تھا۔ کہ اگر وہ بروقت مارکیٹ نہ پہنچا۔ تو اس کا بھانڈا گر جائے گا۔ ہر جہاز ہارک سینزن (HARSON) ہوتا ہے۔ سراسر آج جانتا تھا۔ کہ باتو اپنے سینزن میں کسی تھکاکے لگ جائے۔ باتو بھی بارہ بجے خانے کے تنگ و تنایک ماحول سے بھاگ چاہا جانتی تھی وہ پردے کے پیچھے کھات پر بیٹھے بیویوں باؤں کو دیکھ چکی تھی۔

جنہیں سراسر آج کسی نہ کسی پہانے گھر ملا تھا۔ مگر ہمیشہ اسے بارہ بجے خانے کے گھٹنے ماحول کا سہارا لیا کرتا۔ جب بھی وہ گھر میں آئے دالے کی نئے جہان کے نئے چائے بنائی تو بے خیالی میں اپنا ہاتھ جلایا کرتی۔ اور یہی جن ایک شیش بن کر سبکتی رہتی۔ اس کے زخمی زخموں کی شنگی بڑھتی جا رہی تھی۔ کہ رتن باؤ کا نمبر آگیا۔

بچ تو یہ تھا۔ کہ باتو اب پردے کے پیچھے سے صرف یہ دیکھا کرتی۔ کہ آئے دالے جہان کے تیر کیسے ہیں۔ رتن کی اندر کو دھنسی ہوئی حلیوں لگا ہوں میں اسے امید کی ایک کرن نظر آئی۔ تو اس نے چائے کے ساتھ لکٹ کا ڈبہ بھی اندر بھیج دیا۔ اس روز تو نفیس کی ایک سالی دھوئے میں ٹوٹ گئی تھی۔ وہ ادھر سے سینوں میں الجھی رہی۔ باتو اس کے ٹوٹے ٹوٹے سپنوں میں آتا رہا۔ ایک روز باتو حادث کے پردے سے جھانکا۔

سراسر آج بابائیں بے کیا؟
 وہ تو شہر گئے ہیں۔ آئیے اندر آجائیے۔ شبو اور نام پر ہے اور۔۔۔ اندر آجائیے۔

رتن اندر کمرے میں بیٹھ گیا۔ باتو جائے بنا کر لے گی۔ وہ گھنٹہ پر چھٹا سگریٹ پیتا رہا۔ باتو کب کی رتن صاف کر کے رشیمے میں وہ گھنٹہ چھوٹا سگریٹ پیتا رہا۔ باتو رتن صاف کر کے رشیمے میں مضرت تھی۔ خیالوں کے تانے بانے پھیلنے لگے گھر سے گرا جھٹی رہی۔ حتیٰ کہ سامنے دیوار سے نفیس بول پڑی۔

ارے باتو! کون یا ر اندر بھایا ہے۔
 آبا کے ساب آئے ہیں۔ مگر وہ تو شہر گئے ہیں۔
 تیری ماں کا سینا تاس ہو۔ جوان لڑکی کو گھر میں کیسی چھوڑ کر کہاں ہو گئی۔
 انجینئر صاحب کے یہاں بچہ ہوا ہے دال گئی ہے۔
 باتو گریبوں پر اگر یہ باتو لوگ جسے زیادہ ہر ماں ہو جائیں تو کچھ اچھا نہیں ہوتا۔
 مجھے اس گئے کے چلن اچھے نظر نہیں آتے۔

باتو اگر چال چلن۔ گئے سر۔ اور اندر کو دھنسی حویں لگا ہوں کو دیکھتی ہی تو ساری عمر گھبرا کر کھڑی رہی رہی۔ اس روز تو وہ بالو سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہی۔ باتو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا۔
 باتو اگر بچہ بھی ریت کے ڈھیر پر بیٹھتا ہے۔ تو گھر وندوں ہی کی سوچتا ہے۔
 باتو ریت کے گھر وندوں سے کھیلتی رہی۔ اور کھیلتی ہوئی باتو کے ساتھ اتنی دودھ نکل گئی۔ کہ اسے تاریک دوراں گلیاں بھول گئی۔ پٹے ٹاٹ کے پردوں کے پیچھے سے اچھوٹے سر ایسے نظروں آتے۔ سرگوشتوں کی آواز اس تک پہنچ ہی نہ سکی اور باہر سراج بابا کو ریسل دینے بیٹھا تھا۔

کہ وہ باتو کو اپنے اپنے لگات گئے تنک محلے کے آدراہ لٹھے کھبے کی روشنی کے نیچے سردی سے سکرنے بالو اور باتو کے قفقے سنایا کرتے۔ شبو آجاتا۔
 تو خانوٹس ہو جاتے۔

کہو شبو! بارہ بجے میں کیا بھوتی ہوئے ہمارے پاس بیٹھے ہی نہیں۔
 یار۔۔۔ سنہے۔ کچھ گڑبگڑ بھی ہو گیا ہے۔ استاد ہوا استاد کوئی بہت بڑا لٹھ مارا ہے۔

شبو طنز کے لطیف سے مملو میں گھلنا رہتا۔ وہ بھی ہر سوچے بیٹھا تھا۔ کہ لوگ کی باتوں سے کیا ہوتا ہے۔ بالا کا اگر گھر بن رہا ہے۔ تو کون سی برکات

ہے۔ لوگ کب تک باتیں کریں گے۔

محل باتو کی شادی ہو جائے گی تو۔۔۔ دراصل لوگ بھی کسی کا اچھا نہیں دیکھتے۔ شبو یہ سوچتا ہوا دال سے اٹھا۔ ایک تہقہ بلند ہوا۔ شبو تیز قدموں سے تاریک گلی میں گم ہو گیا۔ گھر کے دروازے کے سامنے بیٹھے کتے کو اس نے زور سے لالت ماری کتے دال سے اٹھا اور روشنی کے کچھ کے نیچے جاکر زور زور سے بھونکنے لگا۔

شبو سہیا جیسے ڈوبو بھی طنز بھرے قہقہے لگا رہا ہے۔ اس نے گندی سی گالی دی اور دروازے پہ پٹکے ٹاٹ کے دبیز پردے کے پیچھے جھکی میں بڑی گھڑ دینی پر رکھ گھوٹے سے بچ پانی کا ایک گھڑا چڑھایا۔ کمرے کے کواڑ پر چڑھا تھا۔ سب بے سروہ بیٹھے تھے۔ شبو تلخیوں میں الجھا۔ بستر پر پہلو بہتا رہا۔ مل کا ڈیرہ بچے والا دل بھی بچے اٹھا مگر باتو ابھی تک نہیں آتی تھی۔ وہ آج باتو کے ساتھ شہر گئی تھی۔ بچہ کا پردہ گرام تھا۔ گھنٹہ بھر بعد نظم نظم کھتی۔ باتو اندر آئی۔

باتو! آئندہ گھر سے باہر قدم رکھا تو ناگیں توڑ دوں گا۔ شبو چیخ پڑا۔
 چپ بے مال کے۔۔۔ سراسر آج بسترے اٹھ بیٹھا۔
 کیوں لوگوں کو سنار ہے ہو۔ جوان لٹکی ہے۔ لوگ کیا کہیں گے۔
 اسکی ماں بھی بولی پڑی۔

شبو کی ماں کے فیصلے پر متفق سب بستروں میں دبک گئے۔ اور رات گئے تک تلخیوں میں غلطال رہے۔

محل کی نورتیں شبو رتن کے صحن میں جاتی اور۔ سارا دن دھوپ میں بیٹھی ایک دوسرے کے کان سے منہ جوڑے کھسکھس کر رہتی رہتی۔ جب کوئلے بچہ روٹھتا تو اپنی دھلکتی ہوئی چھتیاں بچہ کے منہ میں گھس کر پرشام کے دل ہونے تک باتو اور باتو کے ساتھ پر تیاں آرائی کرتی رہتی۔

اور باتو ان سب سے بے پرواہ چہرہ دل خیالوں کی سنہری انیش جوڑ جوڑ کر مستقبل کے حین عمل نمیر کرتی رہتی۔ اسے کسی کی پرواہ نہ تھی۔ رتن باؤ تو دھنسی ہی زندگی گزار رہا تھا۔ باتو۔ اس کی منزل نہ تھی۔ ٹیچا ٹیچا راستہ تھا۔ جو اتنی دیران گلی میں آنکلتا۔ کچھ لاکھری انگلیاں ہوتی کا تاریک سا کونا۔ جہاں وہ رات گئے تک بیٹھا رہتا۔
 باتو کو تو وہ لٹھے کی بوتلی سپینا تھا۔ جسے وہ حسب معمول سندے کی رات کو چڑھایا کرتا۔

اب تو دھنکی صبح ہی کو مل کا لٹاکر BOILER چھینے لگتا۔
 شبو کبل سیٹھ پہلی شفٹ کو روانہ ہو جاتا۔ اس کے بھاری قدموں میں منوں ابو جھٹکا۔
 استاد ہوا استاد۔ سنہے گریڈ ہو گیا ہے۔
 بہت بڑا لٹھ مارا ہے۔

شفٹ ختم ہوتی۔ تو شبو بوا لٹھ مار دس کے پاس راکھ کے ڈھیر سے کوئلے پھینا رہتا۔ اور انھیں میٹے سے میٹے میں شفٹ ڈوبتی شام کو انگلیٹھی لگا دیتا۔ تو کوئلے کا کثیف سا دھواں کوئلوں کی لوری لائزوں پر چھا جاتا۔ اور شبو سوچا کرتا۔ کہ جب انگلیٹھی ملگتی ہے۔ تو کوئلے کا کثیف سا دھواں سب کو اثر دے گا۔ سب کو کیوں معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ انگلیٹھی جل رہی ہے؟ اور جب کوئلے دھک اٹھتے ہیں تو دھواں ہنس رہتا کہ وہ رہ جاتی ہے۔

شبو اب گلی کے نکڑ پر روشنی کے کھبے کے نیچے بیٹھے کبھی نہیں گیا۔
 وہ جب بھی دال سے گزرتا۔ سب لڑکے باتیں چھڑاس کی طرف متوجہ ہو جاتے۔
 ارے شبو! یار ہمارے پاس بھی چھڑا کو۔ مگر تیرا اب تو بڑے لوگوں سے رشتے ہیں نا چھڑے۔

ارے چنو تو ہسی۔ یار۔۔۔ جہاں جا رہے ہو؟
 چھوڑو جانے دے۔ بے عزت کو۔
 وہ گزروں نیچے کئے گزرجاتا۔ دن گزرتے رہے۔ ایک روز رتن باؤ گلی

کے اسی نکتہ پر نظر آیا۔ تو سب لڑکے جلا اٹھے۔

”ارے شنبو! تمہارے سب آئے ہیں۔“

”شنبو ایک لمبے کوپٹا۔ بابو ٹکڑا۔“

”کہو شنبو۔! کیسے ہو۔“ نظر نہیں آتے؟

بابو! ان کیچڑ بھری نگہوں میں نہ آیا کرو۔ ہم گریوں کی بھی کچھ آجت ہوتی ہے۔

”کیا۔۔۔؟“ رہیں چلا اٹھا۔

”بابو! میں۔۔۔ کہتا ہوں مت آیا کرو۔۔۔ شنبو چیخ پڑا۔“

”سننے ہوتے لڑکے سنجیدہ ہو گئے۔“

”تم یہاں کس لئے آتے ہو؟“

”ہاتھ سے ملنے۔۔۔ ایک لڑکا بول پڑا۔ قہقہوں کی جھجکا شنبو کو روندتی چلی گئی۔ اس کا ہاتھ بابو کے گریوں پر جا پڑا۔ بھاری بھکم ہاتھ رہیں کو جو پڑا۔ تو وہ لڑکھڑا کر گر گیا۔ اور اس کا چشمہ دھڑلکے کے ٹھڑے پر جا پڑا۔“

”ذلیل۔۔۔ کنا۔۔۔“

شنبو کو تمام لڑکوں نے تالو کر لیا۔ بابو کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھا۔ اور منیک سٹپے مار کر کھٹک لگا گیا۔

اس رات شنبو نے گھر جا کر ماں اور باؤ دونوں کو پیٹ ڈالا سراپ چھرا آتا تو اسے بھی دو چار لگادیں۔ اور سک سک کر رو پڑا۔

اس واقعہ کے بعد بابو اس نگہ میں کبھی نظر نہ آیا۔ شنبو مطمئن سا تھا۔ اب اس کی ڈیوٹی رات گئے ختم ہوتی۔

بابو اب گھر سے باہر کبھی نہ نکلی۔ اس کے گلاب کی طرح کھلے چہرے پر زعفران نکھرتی چلی گئی۔ وہ ہلکے ہلکے قدم اٹھاتی۔

اور کبھی کبھی ٹاٹ سے باہر سونکال کر گلی کے آخری ٹکڑے تک جھانک لیا کرتی۔ اور پھر باورچی خانے میں دھن ہو جاتی۔ تنگ۔

ذاریک ماحول۔ دھوپ سے سیاہ دیواریں چینی۔

کاغذ کھولے لمبر۔ گھر کے سب افسراد ایک دوسرے سے روتے روتے تھے۔

اب تو گلی کا نکتہ ہی دیران ہو چکا تھا۔ سخت سردی کی وجہ سے اب دہاں کوئی بھی نہ بچنے آتا۔ شنبو رات گئے ڈیوٹی سے

واپس آتا۔ تو اسے گلی کے اس نکتہ سے بلند قہقہے سنائی دیتے۔ مگر دہاں تو کوئی بھی نہ ہوتا تھا۔ البتہ پانی کا نلکہ آسنو بہا رہا ہوتا۔

ٹھنڈے ٹھنڈے آسنو۔ اور ان کی ہلکی ہلکی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی جلتنگ جو پورے ماحول پر چھانی ہوتی۔ اب تو ڈبو

بھی اسے دیکھ کر نہ بھونکتا تھا۔ وہ بھی حواری کے پولوں پہ لٹا ڈرا سا اٹھاتا اور بے سدھ سالیٹ جاتا۔

اس روز شام کو جب وہ ڈیوٹی پر گیا۔ تو اسے حیف

انجینئر نے دفتر بلا بھیجا۔ رہیں بابو بھی دفتر میں صاف کے پاس بیٹھا تھا۔ شنبو کے ہاتھ جو رہیں بابو کے گریوں تک بڑھے تھے۔ اس کے ماتھے تک اٹھ گئے۔

”صاف سلام۔!“

شنبو نکل سے تم ڈیوٹی بہت آؤ۔ تمہاری ملازمت عارضی تھی۔ اور آج سے ہمیں سبکدوش کیا جاتا ہے۔“

”صاف۔۔۔ مگر صاف۔۔۔“

”اب تم جاسکتے ہو۔“

اس کے کمر کے پیچھے بندھے ہاتھ سلام کے لئے ایک بار پھراٹھ گئے وہ گیٹ سے باہر آگیا۔۔۔ ادعات گئے تک یوں ہی آوارہ سیٹ کے چکر لگاتا رہا۔ رات کے آخری دہان تک وہ اکیلا روشنی کے کھجے کے نیچے

منشور

۲۴

بیٹھارہ۔

اس کے گھر میں بھی روشنی تھی۔ وہ آتے ہی بستر میں دیک گیا۔ روز گل کر دی گئی۔ آج باؤ کی طبیعت ناساز تھی۔ شنبو پریشانیوں میں غلطان بستر پر پہلو بدلتا رہا۔

باؤ کا کیا ہو گا۔ بابو کی وجہ سے وہ کافی بدنام ہو چکا ہے۔ کوئی مقولہ تو ملنے سے رہا۔ اسے نہ کریں نہ دے دول۔ شنبو یہی شکست آؤ۔

فیصلہ کر پایا تھا۔ کہ ساتھ والے کمرے سے سکیوں کی آواز آنے لگی۔

”ماں! مجھے زبردے دے۔ میں مر جاؤں تو اچھا ہے۔“

میں گناہ کے اس بوجھ کو کب تک چھپاتی بھردوں گی۔۔۔

”بیٹی! حوصلہ رکھو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

مگر حوصلے ٹوٹ ٹوٹ کر سکیوں میں ڈوبتے رہے۔

شنبو نے صبح سویرے انگلیشی چو جلائی۔ تو دھواں پھیل گیا۔ سب کٹروں کو لٹے دیکھ اٹھے۔ انگلیشی اٹھائی۔ ہاتھ جل گیا۔

انگلیشی گر گئی۔ اور دیکھنے کو لٹے پورے صحن میں پھیل گئے۔ شام کو رہن بابو، شنبو کو مل کے گیٹ پر ہی مل گیا۔ شنبو نے اس کا

دہستہ روک لیا۔

”بابو! مجھے معاف کر دو۔ مجھے اس گستاخی کی اتنی ٹری سزا مت دو۔“

صاف! کچھ رحم کرو۔ میری بہن تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھانے پھر رہی ہے بابو اسے سہارہ دو۔ اسے۔۔۔ شنبو روپی تو پڑا تھا۔

شنبو! میں کھڑے کی خالی بوتلیں باہر کھنک دیا کرتا ہوں۔ اچھیں کارنس پر نہیں سجاتا۔۔۔ گیٹ کے بند کھلے تو شفٹوں کے مخصوص

دھاروں میں ہنسنے والے تھکے تھکے مزدور گٹر کے گندے پانی کی طرح ابل پڑے۔ سڑک اور نٹ پاتھ پر پھیل گئے۔ اور شام گرد آلودہ تھکے ماندے دن کے

ادھکتے وجود کو تاریکی سی چادر سے ڈھانچنے لگی۔ نٹ پاتھ کے سرے پر روٹوں کا ہجوم بڑھانے لگا۔

”پاگل ہے۔ کہتا ہے۔ میری بہن سے شادی کر دو۔ آج کل شرنیوں کی عزت بھی۔“

خاک کی مدد میں لمبوس گیٹ کے دربان کا بھاری بھکم ہاتھ شنبو کے جوڑا تو

رکھ کر نٹ پاتھ پر گر گیا۔ اور خون کی ایک لیکر سڑک کو بھی چیرتی چلی گئی۔ ہجوم۔۔۔ تھکے قدموں سے بھرنے لگا۔

اور سو گوارسی دہان کی طرح رات آسنو بہانے لگی اور پورا لڑوس کی چینی کا دھواں آہستہ آہستہ پورے میل ایرے پر پھیلنا چلا گیا۔

ایئرپورٹ پر کام کرنے والے ساتھی

منشور

ایئرپورٹ کلب کینٹین کے برابر

بک اسٹال سے خریدیں

اپریل ۱۹۷۰ء

گھناؤنی سازش — جو ناکاآبنادی گئی

فکارِ بخادی

ایک میٹنگ ہوئی جس میں پیاسی کے جنرل سکریٹری کیلئے بیچہ کے، ڈی ایس کے صدر مسٹر پریس پرلین کے ایک کیئر غلام غیر اور عدالت شاہ وغیرہ فریک ہوئے۔ اس کمرے سے باہر تلوکے لگ بھگ افراد موجود تھے جن میں اکثریت ملیر کے لوگوں کی تھی۔ جب میٹنگ ختم ہو کر یہ حضرات کمرے سے باہر آئے تو مسٹر عدالت کو کئے ڈی ایس کے صدر مسٹر پریس سے یہ کہنے سنا گیا کہ چودہ سو ملازمین کو نظر انداز کر کے ان چند لوگوں سے بات چیت بھیٹیک نہیں رہے گی۔ مسٹر پریس نے عدالت شاہ کے اس خدشہ کو یہ کہہ کر دور کر دیا کہ دیکھتے رہیں کیا ہوتا ہے ایساں ایک ورکر سید مشق حسین نے درخواست کی کہ عدالت سے بارے میں کوئی بھی بات چیت یہاں ماڈل کالونی میں ہو جو چنڈر خاں دارلوگوں کے کچا کے یونین کے صدر دارلوں یا جنرل باڈی سے کی جائے۔ اس پر ماڈل کالونی جماعت اسلامی کے ناظم اگر حسین نے کہا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں بھیٹیک ہے اور میں جماعتی طور پر اوپر سے اس کی ہدایت آتی ہے۔ اور مزید کہا کہ جو ڈیوٹی پرمیٹیں جاتے گا وہ کافر ہے کیونکہ یہ کفر و اسلام کی جنگ ہے۔

ماڈل کالونی میں بات چیت کے بعد یہ حضرات سیکوریٹی پریس گئے، اور انتظامیہ کی فلی ہلگٹ سے ایک مسودہ تیار کیا گیا۔ عدالت شاہ اور مسٹر پریس سے مسودہ لے کر یونین آفس میں آئے۔ یہاں یونین کی قائم مقام صدر خالدہ خانم ریڈیئر نائب صدر ملک عبد العزیز، جو ریڈیئر نائب صدر زین الدین، ایکشن کمیٹی کے رکن تھے بی احمد وغیرہ سے بات چیت ہوئی۔ مسٹر پریس نے یہ مسودہ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ پیاسی، جماعت اسلامی اور ہم اس مسودے کی روٹی میں انتظامیہ سے معاہدہ کرانے کے لئے تیار ہیں، اور آپ بھی اس کے لئے تیار ہو جائیں۔ خالدہ خانم نے اس امر کی وضاحت کی کہ آپ جو مسودہ لے کر آئے ہیں اس سے ملازمین کے مفاد کو کس طرح نقصان پہنچ سکتا ہے۔ بی احمد نے کہا کہ پریس کے ملازمین کے معاملات سمجھانے اور ان کے مسائل حل کرانے میں کوئی بھی دلچسپی ہے۔ ہم اس کا خیر مقدم کریں گے۔ جنرل پریس نے یہ کہہ کر ایکشن کمیٹی کے سرسندھے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کوئی بھی معاہدہ ہر فرد کی کے معاہدے کی سطح پر ہو۔ یونین کے جوئیئر نائب صدر زین الدین نے جوئیئر پریس کی کہ آپ اس مسودے کو جنرل باڈی کے اجلاس میں پیش کریں۔ اگر جنرل باڈی اس پر رضا مند ہو۔ تو میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ مسٹر عدالت شاہ اور مسٹر پریس نے اس مسودے کو جنرل باڈی کے اجلاس میں پیش کرنے کا وعدہ کیا، اور چلے گئے۔

یونین کے دوسرے گم کار کن نور الدین اور شیر علی کا کہنا ہے۔ لائن سے آتے ہوئے جب وہ ملیر سٹی کے بس اسٹاپ پر اتر کر کچھ دور چلے۔ تو انہوں نے پٹرول پمپ والی گلی کے نیکو پیر، ماڈل کالونی کے ناظم اعلیٰ جناب خاکو حسین اور تین دوسرے افراد کو پریس کے متعلق گفتگو کرتے سنا۔ ارشد علی اور نور الدین یہ جاننے کے لئے کہ یہ کیا گفتگو کر رہے ہیں ان کے نزدیک بھر گئے۔ اسی اثناء میں کالا بورڈ کی طرف سے ایک کار آئی اور اس میں سے ایک

گیارہ مارچ کو جب کہ ایکشن کمیٹی کی پریل پر کراچی کی تمام مزدور تنظیموں نے سیکوریٹی پریس کے ملازمین کی حمایت میں ہڑتال کا فیصلہ کیا۔ تو مزدور کش طبقہ کے ایوانوں میں پھیل چکے تھے۔ سیکوریٹی پریس کی انتظامیہ اس پیش آمدہ صورت سے سخت پریشان ہوئی اور ملازمین کے جائز مطالبات منظور کرنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ کچھ سازشی ذہن منظر عام پر آئے اور انتظامیہ کی پیچھے چھوٹی۔ آٹھ مارچ کی صبح اخبارات میں دو کالمی ورکالی سرخیوں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ سیکوریٹی پریس کے ہڑتالی ملازمین اور انتظامیہ میں مجھوتہ ہو گیا ہے۔ اور ساتھ ہی دفاعی ایکشن کمیٹی کے پریس میں مسٹر پریس کا یہ بیان بھی شائع ہوا کہ ایسا کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔ علاوہ انہیں مسٹر پریس نے اس مذکورہ معاہدہ کو ملازمین کے مفاد کے خلاف ایک سازش قرار دیا۔

یہاں ذہنوں میں یہ سوال ابھر رہا ہے۔ کہ اس معاہدہ کو سازش سے لیکر کیوں لیا گیا یہ معاہدہ کیوں اور کیسے ہوا۔ واقعی کوئی لڑکوں کا سلسلہ اس کی پیچھے اور واضح تقویر سامنے لے آتا ہے۔

ایک دفعہ کے ای ایس ایس یونین کے صدر مسٹر عدالت شاہ سیکوریٹی پریس یونین کے دفتر واقع ملیر سٹی شریف لائے۔ اور کہا کہ مجھے مختصر صاحب نے بھیجا ہے تاکہ میں آپ کے معاملات سمجھانے کے لئے رہ ہوا اور جنرل ہر دفعہ مسودہ طلب کیا جو عدالت محبت کے سرکاری سیکریٹری جناب فتح محمد بندریال نے ہر فرد کی کو مرتب فرمایا تھا۔ مسٹر عدالت شاہ یہ کہہ کر کہ میں پریس کے میٹنگ ٹاکر جناب علو اسلام سے بات چیت کے لئے جا رہا ہوں۔ اور وہ مسودہ لے کر چلے گئے۔ واپس آنے کے بعد مسٹر عدالت شاہ نے یونین کے جوئیئر نائب صدر زین الدین کو بتایا کہ میں نے پریس سے جو مسٹر عقول شیخ اور جنرل منیر مسٹر قائم علی سے بات چیت کی ہے اور ایک مسودہ دیا کہ انتظامیہ ہر فرد کی کے مسودے کی بجائے اس مسودے کی بنیاد پر بات چیت کے لئے بعد ہے مسٹر زین الدین نے عدالت شاہ کو بتایا کہ قبل ازیں یونین کی جنرل باڈی اس مسودے کو ناقابل قبول قرار دے کر مسترد کر چکی ہے اور ان سے درخواست کی گئی کہ اگر آپ پریس کے ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہونے سے ملے ہو تو رکھتے ہیں تو ایکشن کمیٹی سے قانون کرتے ہوئے اس جدوجہد کو کامیاب کر لیں۔ مسٹر عدالت شاہ نے وعدہ کیا کہ ملازمین کی رضامندی کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا جائے گا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ انتظامیہ نے جب یہ مسودہ یونین کو بہت چیت کے لئے پیش کیا۔ تو اس کے آخر میں درج تھا کہ سیکوریٹی پریس کے معاملات سدھرنے کے بعد سیکوریٹی پریس مل کے معاملات پر بات چیت کی جائے گی۔ لیکن جب یہ مسودہ انتظامیہ نے مسٹر عدالت شاہ کو دیا۔ اس کی آخری لائن پھاڑی گئی تھی۔ عدالت شاہ نے یونین سے اپنی ہر فردی تباہی کے لئے یہ بھی کہا کہ میں نے پریس کے میٹنگ ٹاکر سے کہہ دیا کہ اگر آپ نے ملازمین کے مطالبات تسلیم کرنے کو تیار ہو تو ایک آواز سے آپ بھی ملے پانی سے محروم ہو جائیں گے۔ اس طرح مسٹر عدالت شاہ یونین کو پھر پور قانون کا یقین دلانے کے بعد یونین آفس سے رخصت ہو گئے۔

خاتمہ معاملہ کالونی میں جماعت اسلامی کے ناظم اعلیٰ جناب خاکو حسین کے مکان پر بند کر دیں

مبارکی جگر صاحب رئیس سفید پانجامہ اور سفید کرت پہنے ہوئے اترے اور اترتے ہی ڈاکٹر حسین سے گویا ہوئے۔ ”اے بھائی ڈاکٹر صاحب کام ٹھیک ہو گیا۔ ڈاکٹر حسین نے سب ٹھیک کی رپورٹ دیتے ہوئے کہا کہ ”سب آدمی کام پر لگا دیئے گئے ہیں“ اور جہاں باقی ہیں ان کو بلانے کے لئے ٹیکسی بھیجی ہوئی ہے۔ اور ہدایت کی کہ آپ جا کر ادھر کام ٹھیک کریں اور بتایا کہ ”مینگ منگر بڑھوئے ہی آدمی پہنچ جائیں گے۔“ ان آئے والے صاحب نے وضاحت چاہی کہ کتنے آدمی؟ ڈاکٹر حسین نے کہا ”۱۱۰“ انشاء اللہ پانچ سو، اور اس کے بعد یہ صاحب واپس اسی کلب میں غمر جانے والی سڑک پر روانہ ہو گئے۔ ڈاکٹر حسین اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ایک طرف کھیلے گئے اور نور الدین اور اس کے جنرل باڈی کے اجلاس میں سفر کرتے کے لئے روانہ ہو گئے۔ جنرل باڈی کے اجلاس میں ملازمین کی واضح اکثریت نے اس مسودے کو جو مسٹر بشیر اور عدالت سے لے کر آئے تھے، اتنے سے انکار کر دیا۔ تو اس پر چند لوگوں کی جانب سے ہنگامہ آرائی کی کوشش کی گئی۔ اور خالدہ خانم پر و شنام طرازی بھی کی گئی۔ لیکن ملازمین کی دافعتی نے بروقت اس صورتحال پر قابو پا لیا۔ اور مسٹر چٹولی کا کوئی واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔ نور الدین اور اس کے جنرل باڈی کے اجلاس میں یہ گھڑباز طرہ میں پٹرول پمپ کے نزدیک کی گئی کے کھوٹ پر ہونے والی گفتگو کے مطابق ہے۔ اس ہنگامہ آرائی کے بعد چند لوگ اجلاس سے واک آؤٹ کر کے چلے گئے۔ زین الدین کی قیادت میں ایک دس رکنی وفد ان کو لپکا لپکا لے کر ان کی غلامی دودھ کرنے ان کی تلاش میں روانہ ہوا۔ تلاش بسیار کے بعد معلوم ہوا کہ یہ لوگ آئیر پورٹ پر پیاسی کے دفتر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ زین الدین اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پیاسی کے دفتر پہنچے، ایک دھڑکنے پر ان موجودہ دونوں چکر سے دریافت کیا کہ قرآن حسین، بیر خاں، اور مولانا عبدالواحد وغیرہ کہاں ہیں تو انہیں چکر لے کر بتایا کہ وہ سیکورٹی پر سرسین معاہدہ کرنے گئے ہیں۔ اس پر بڑے متحیرانہ انداز میں نور الدین نے رجاعت اسلامی کے مولانا نیاز سے استفسار کیا کہ ”یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔“ اور وہ کیسا معاہدہ کرتے گئے ہیں۔“ مولانا نیاز نے نور الدین کا ہاتھ پکڑا اور ایک کمرے میں لے جا کر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ”مٹھا کیے ان ڈولوں کو گنو“ جو تین گھنٹے سے یہاں رکھے ہوئے ہیں۔“ ابھی وہ لوگ واپس آجائیں گے، پھر پوچھنا کیا ہو رہا ہے۔“ اور مزید کہا کہ ”مٹھا کی رجاعت اسلامی کے حلال کے پیسوں سے لی گئی ہے۔ اور یہ صرف مسلمانوں کو ملے گی، سوشلسٹوں کو نہیں۔“ اسی اثناء میں پیاسی کے جنرل سکریٹری شیخ عبدالباقی کارین شریفین لائے، اور انھوں نے آتے ہی احسان کیا کہ معاہدہ ہو چکا ہے اور مٹھا کی تقسیم کر دی جائے۔ اس کے بعد شیخ مجید صاحب نے ایک مختصر تقریر کی، اس میں یہاں موجود افراد کو مبارکباد دیتے ہوئے کہ اس کا ہم نے یہ معاہدہ اپنی ذمہ داری پر کر دیا ہے اور ملازمین کو ہدایت کی کہ اپنے مسائل کے لئے پیاسی سے رجوع کریں۔ اور مزید کہا کہ آپ کی جو اکثریت باہر ہے اس کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ پیاسی ہمیشہ اقلیت کا ساتھ دیتی ہے۔ اس پر سرسین کے ایک علی محمد نے درخواست کی کہ ہمارے ایک ساتھی محمد صادق کا انتقال ہو چکا ہے اس کے لواحقین کے لئے کچھ کیا جائے۔ اس پر شیخ مجید صاحب نے کہا کہ ”میں پی۔ آئی۔ اے کے ایم ڈی کو فون کر دوں گا۔“ کہ اس کے بھائی کو پی، آئی، اے میں ملازم رکھ لیں، اور اس کی تمام ادائیگی بھی کرادی جائی۔ زین الدین اور ان کے ساتھی اس صورتحال پر تھیں آئینہ کیفیت لئے واپس آ گئے اور اگلی صبح اخبارات میں یہ خبر پڑھی گئی کہ سیکورٹی پر سرسین کے بڑا تالی ملازمین اور انتظامیہ میں سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ لیکن لوگوں کی جانب سے اس معاہدہ کو پیاسی کے بعد اسلام پسندوں کی دوسری بڑی شخ قرار دیا گیا۔

قارئین کے اذہان میں یہ سوال ضرور ابھر رہا ہو گا کہ وہ معاہدہ جو پیاسی جماعت اسلامی اور انتظامیہ کی ملی بھگت سے طے پایا تھا۔ ملازمین نے اسے اپنے مفاد کے خلاف کیوں قرار دیا، اور اس سے کن مقاصد کا حصول پیش نظر تھا۔

اس کی بڑی اور اصل وجہ اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جو جماعت اسلامی نے گذشتہ چند ماہ سے مزود حلقوں میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کی ہم کا آغاز کیا ہوا ہے۔ اس اثر و رسوخ کے لئے جماعت اسلامی نے کیا طریقہ کار اختیار کیا ہے۔ آئندہ صفحات میں اس پر روشنی ڈالی جائے گی۔

یہ جاننے کے لئے ملازمین کی واضح اکثریت نے اس معاہدے کو اپنے مفاد کے

خلاف کیوں قرار دیا، اور ستائیس فروری کے مسودے کو پسندیدہ کیوں قرار دیا۔ دونوں کا موازنہ ضروری ہے۔

ہر سال کے چورائیس روز وزارت محنت کے صوبائی سکریٹری جناب فتح محمد بنیدیا لاہور سے کراچی تشریف لائے اور پریس کی انتظامیہ اور عہدیداروں سے گفت و شنید کے بعد آپ نے لیڈر محترم، اسٹنٹ محترم سیکورٹی پریس کے جنرل منیر جناب قاسم علی، پرسنل منیر جناب مقبول شیخ اور یونین کے خاندانوں کی موجودگی میں ایک مسودہ مرتب فرمایا۔ جو انتظامیہ اور یونین دونوں کے لئے قابل قبول تھا۔ لیکن سیکورٹی پریس کے مینجنگ ڈاکٹر جناب محمد اسلم نے اسے اپنے وقار کا مسئلہ بنالیا اور اس کے سبب وہ خود گوار تباہی برآمد نہ ہو سکے۔

۱۔ ۲۴ فروری کے مسودے کے مطابق وہ قریب افراد یونین کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا تھا ان پر قائم ہونے والے مقدمات واپس لے کر ان کو غیر مشروط طور پر ملازمتوں پر بحال کیا جائے گا۔ لیکن آٹھ مارچ کو ہونے والے معاہدے کے مطابق اگرچہ ان کو ملازمتوں پر بحالی کو منظور کر لیا تھا۔ لیکن مقدمات کے بارے میں ہدایت کی گئی تھی کہ ”فہمینگ ڈاکٹر سے فروا فرود درخواست کریں اور مینجنگ ڈاکٹر محمد روانہ عذر کریں گے۔“ ضروری نہیں کہ مقدمات واپس لے لئے جائیں گے۔

۲۔ ۲۴ فروری کے مسودے کے مطابق یونین کے صدر فضل الرحمن، جنرل سکریٹری محمد امین خاں، اور جوائنٹ سکریٹری عبدالجبار (جو تھل جیل میں ہیں) کو ہائی کے بعد ملازمتوں پر بحال کر دیا جائے گا۔ لیکن ۸ مارچ کے معاہدے میں اس کا ذکر تک نہیں ہے۔

۳۔ ہر سال کے دوران ملازمت سے برطرف کئے جانے والے چار اشخاص غصہ فرمایا نفی بیگ، عیاض خاں اور محمد جعفر کو ملازمتوں پر بحال کرنے، ان کے اور دیگر افراد کے خلاف کسی تاویہی کارروائی نہ کئے جانے کا مطالبہ ۲۴ فروری کے مسودے کا ایک حصہ تھا۔ لیکن ۸ مارچ کے معاہدے میں اس کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔

۴۔ ۲۴ فروری کے مسودے میں پریس کی ایک ملازم راؤز جہاں کو ملازمت پر بحال کئے جانے کا ذکر تھا۔ لیکن ۸ مارچ کے معاہدے میں راؤز جہاں کو ان کے ملازمت کی گنجائش دی گئی۔ جس سے راؤز جہاں کو یقیناً لفغان پہنچا ہے۔

۵۔ ۲۴ فروری کے مسودے کے مطابق یہ معاہدہ یکم مارچ سے نافذ ہو گا تھا۔ لیکن ۸ مارچ کے معاہدے کی رو سے یکم مارچ سے نافذ ہونا قرار پایا ہے اور اس طرح ملازمین کو ایک سال کے لیے مزید سے محروم کر دیا گیا۔

ان اور ان جیسی دیگر وجوہات ہیں۔ جن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ۸ مارچ کا معاہدہ جو چند افراد، پیاسی اور جماعت اسلامی کا کارنامہ تھا۔ ملازمین کے لئے کیوں قابل قبول نہیں تھا؟ علاوہ ان ۸ مارچ کا معاہدہ کوئی قانونی جواز بھی نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ معاہدہ ان لوگوں کی طرف سے ہوا۔ جنہیں الیسا کوئی معاہدہ کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ اگر جماعت اسلامی اور اس کی ممبر و پیاسی مزدوروں کی خیر خواہ ہے اور پریس کے ملازمین کے مسائل حل کرانے کا نقصانہ جذبہ رکھتی تھی تو اس کا اخلاقی ذمہ تھا کہ چند غیر ذمہ دار لوگوں کے بجائے ایکشن کمیٹی سے رجوع کرتی جسے پریس کے ملازمین نے کسی بھی معاہدے کا اختیار دیا تھا۔ اور ہاں جو جماعت اسلامی کے لئے ایکشن کمیٹی سے تعاون ممکن نہیں تھا تو کسی بھی اقدام سے قبل ان پہلوؤں پر غور کرنا ضروری تھا۔ جن سے ملازمین کے مفاد کو کسی لفغان کا احتمال نہ ہو۔ تاکہ چند لوگوں کے بل بوتے پر اپنی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ نہ کیا جماعت اسلامی اس ملک میں ایسی ہی جمہوریت قائم کرے گی، جس میں کثرت رائے کو کوئی اہمیت حاصل نہ ہو۔ کیا جماعت اس ملک کے مزدوروں کے حقوق کا تحفظ اسی طرح کرے گی کہ تاریخی ہٹ رالیں کرنے والے باشندوں اور منظم مزدوروں کے خلاف حکومت کے اشارے اور مالکوں کے حکم پر دلائی اور غلامی کا کردار ادا کرے۔

چھ لاکھ کے کارداں دیکھ لئے بہتے۔ اگر ان کو دیکھنے سے کافر ہو جانے کا اندیشہ تھا تو اپنے جلسوں کے سامعین کی کھٹتی ہوئی تعداد کو دیکھ کر یہ بات کہتے ہوئے تھوڑی شرم تو محسوس کی ہوتی۔

سوشلزم کی بڑھتی ہوئی تحریک کا الزام تھا تو ہی صاحب نے اردوں کے ساتھ ساتھ ایوب خان پر بھی رکھا ہے کہ انہوں نے اس کے پروپیگنڈے کو دھکیل دے رکھی تھی۔ اور شاید جس زمانے میں ایوب خان نے یہ دھکیل دے رکھی ہوگی۔ اسی زمانے میں ہمارے مولوی صاحب ان کو رخصت کرتے وقت امام خاں باندھا کرتے تھے اور استقبال کرتے وقت گلپاب کے پھول پیش کیا کرتے تھے اور جب کبھی ایوب خان کی طرف سے لائسنسوں اور پرمٹوں کے ملنے میں کمی ہو جاتی تھی تو ناراض ہو کر ایک روز پہلے ہی عید کا چاند دیکھ لیا کرتے تھے۔

احتمام لکھی تھا تو ہی صاحب نے کہا ہے کہ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جب بھی ملک دملت برٹرا وقت پڑا ہے تو علمائے قرآن و سنت کی روشنی میں فتویٰ جاری کرنے کے مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی ہے، پوچھنا صرف یہ ہے کہ کیا اسلامی جمہوریہ پاکستان اور مسلمانان پاکستان پر پہلی بار ہی برا وقت پڑا ہے۔ یہ جو تیس (۲۳) سال سے بدترین سرمایہ دارانہ نظام ملک دملت برسلط ہے۔ کیا یہ رات تو نہیں تھا اور ہے بلکہ ملک میں شراب خانے، جوئے خانے، تنگے ڈانس، ناٹ، کلب، ریس کے اڈے، سودی کاروبار، عصمت فروشی، فحاشی، لوٹ کھسوٹ، منافع خوری نہیں ہے۔ کیا یہ اچھے وقت کی چیزیں ہیں؟ ان کے خلاف خود ساختہ نام نہاد علماء کو فتویٰ دینے کی کبھی ضرورت کیونہ نہیں پیش آئی۔ جو نظام آبادی نہیں ہے، اپنی طرف سے اس کی برائیاں طے کر کے اس کے خلاف فتویٰ جاری کرنے والو، جو نظام ۲۳ سال سے نافذ ہے اور جس کی برائیاں دن دھاڑے نظر آ رہی ہیں۔ اس کے خلاف کبھی آواز کیوں نہ اٹھائی۔ اس لئے تاکہ اس نظام سے تمہارے حلوے سانڈے، مرستہ یز کاریں، ایرکنڈیشنڈ بنگلے صبح و شام ہوائی سفر چلتے ہیں۔

مشرقی پاکستان کے انگو رہت کھٹے مکے

مشرقی پاکستان میں پی آئی اے کے مزدوروں کے ایمان افروز فیصلے سے جماعت مودودی بہت ہی بوکھلا گئی اور کھسائی ملی کی طرح کھیلانو چٹا شروع کر دیا، مغربی پاکستان سیاسی کے اسلام پسند مجاہدین "مشرقی پاکستان کے ریفرنڈم میں شکست کھا کر واپس آئے تو صوبائی عصمت کا پرانا حربہ نکال کر ناپنے لگے۔ اور مغربی پاکستان کے مزدوروں میں مشرقی پاکستانی مزدوروں کے خلاف نفرت پھیلانے کی سازشوں میں مصروف ہو گئے مگر بھلا ہو خود ان کی سادہ لوحی اور کم عقلی کا کہ اس سازش میں کامیاب نہ ہو سکے اور خود ہی اس سازش کا بھانڈا پھوڑ بیٹھے۔ سیاسی یونین کے جیالے مجاہد نے کراچی آتے ہی ایک پریس کانفرنس میں اپنی سادہ لوحی کی بنا پر خود اس بات کا اعتراف کر لیا کہ ان کی یونین مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کی مزدور تنظیم سرامک لیگ سے الحاق کئے ہوئے تھی، کاش وہ اس الحاق کی ضرورت بھی بیان کر دیتے کہ مشرقی پاکستان کے مزدور جماعت اسلامی کا نام تک سننا گوارا نہیں کرتے اور بیانی یونین جماعت اسلامی کی آلہ کار کی حیثیت سے محتاج تعارف نہیں ہے، اور یہ بات بھی سب ہی جانتے ہیں کہ عوامی لیگ بنگلہ قومیت کے نعرے پر زندہ ہے اور عوامی لیگ کے اسی نعرے کے دھوکے میں آ کر مشرقی پاکستان میں سیاسی یونین کو اس

منتور

قدر دوٹ مل بھی گئے۔ مگر واہ رے جماعت اسلامی کی ہنگامی مزدوروں کے اس قدر دوٹ ملنے کے بعد کراچی ہینو کے خلاف محاذ کھول دیا اور اپنی شکست کا سارا الزام اپنے ساتھ ساتھ عوامی لیگ کے سر بھی جر دیا۔ حد تو یہ۔ فراموشوں نے خود سیاسی ڈھاکہ کے صدر کمال الدین نے عذاری کا الزام عائد کر دیا۔

خیر جو کچھ بھی ہوا۔ جماعت اسلامی کی یہ موقع پرستی جس عوامی لیگ کو وہ پاکستان اور اسلام کی بدترین دشمن بنی آئی اے میں مزدوروں کے مقابلے پر اسی عوامی لیگ سے اپنی نام نہاد "اسلام پسندی" کا نقاب خود اپنے ہی ہاتھوں

جماعت اسلامی کی لغت میں "مساکلفظ بھی شامل کر لیا

جماعت اسلامی کے ایک لیڈر عبدالرحیم نے کسی جگہ تقریر انتہائی حیرت انگیز اعلان کیا کہ جماعت اسلامی برسر اقتدار کے مساوی طور پر تقسیم کر دے گی۔ ہمیں بہت خوشی ہوئی کہ کلچر بھی صحیح راستے پر آگئی اور آخر اسے اس بات کا احسا کہ خدا کے سامنے بندے برابر ہیں اس لئے دولت تمام برابر تقسیم ہونی چاہئے۔ عبدالرحیم صاحب نے اپنے اعلا و صافحت فرمانی کہ حکومت کو زکوٰۃ سے ۷۰ ارب روپے کرچی جو غریبوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کی جائے گی۔ ہمارے سوال پیدا ہوا کہ جب دولت مساوی طور پر تقسیم کر دی تو پھر غریب کہاں سے لائے جائیں گے جن کی فلاح و بہبود کی رقم خرچ کی جائیگی۔ بعد میں ہمارے ایک دوست ہمارے مشکل آسان کر دی کہ جماعت اسلامی کی لغت میں کے معنی الگ ہیں یہ لوگ کسی ایسی مسادات کا تصور بھی نہیں میں غریب اور امیر نہ ہوں مگر سب برابر ہوں۔ ان کے بہار وہ ہے کہ غریب غریب ہی رہے اور امیر امیر ہی رہے نام "مسادات" ہی کا دیا جائے۔

سیکیوریٹی پرنٹنگ پریس میر

اسلامی نظام نافذ ہوتے ہوتے ر کراچی (نامزدہ منشور) پی آئی اے کے مزدوروں کے خواہشیں نہیں سمجھ سکتی تھی۔ چنانچہ سیاسی یونین کے "اسلام پسند" اپنے تین اور "دینی یونینوں" کے قائدین کے ساتھ سیکیوریٹی پریس کے مظلوم مزدوروں کو تاڑا اور ان کی "آون سے زیادہ مناسب" فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ مگر ذرا سی کسر رہ گئی مزدوروں میں سے پندرہ بیس مزدور تو پوری طرح جال میں پھنکے اور جماعت اسلامی کے مختلف علاقوں کے کارکنوں کو بلا کر اچھو سونگ تعداد پنچ گئی تھی جنہوں نے سیکیوریٹی پریس کے "معاہدہ کو تسلیم کر لیا تھا۔ مگر بس ٹھوڑے سے یعنی کوئی آئیس سو کچھ ہند پڑ گئے اور انہوں نے اس "معاہدہ" کا شق کی بول کھول کر طرح سیکیوریٹی پرنٹنگ پریس میں مودودی صاحب کا ساختہ "ام نظام" نافذ ہوتے ہوتے رہ گیا۔

مستند ہے کہ میکسکو ریٹی پریس کی انتظامیہ نے شرط رکھی تھی کہ جب یہ معاہدہ "تاشقند" تمام مزدور تسلیم کرتے مہر تال ختم کر دیں گے۔ تب معاہدہ کرانے والے اسلام آباد قارئین کو معاوضہ دیا جائے گا۔ پتہ نہیں موجودہ صورتحال میں انتظامیہ نے کوئی معاوضہ دیا یا نہیں۔

اس "معاہدہ تاشقند" کو تمام مزدوروں نے تسلیم تو کیا ہی نہیں اور نہ ہی معاہدہ کرانے والے "قارئین" کے کہنے سے مہر تال ختم کی۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس قارئین نے اس قدر محنت تو کی کہ "اسلامی نظام" نافذ ہوتے ہوئے وہ کیا اس غم کو غلط کر نیچے لئے انھیں دو چار گھنٹے بھر کے کسی بڑے سے بار روم میں گزرنے پر طے ہوئے تھے۔ معاوضہ پورا نہیں کو آدھا ہی ملنا تو چاہئے تھا۔ میکسکو ریٹی پریس کا یہ ناممکن معاہدہ پیاسی یونین کا دوشہرا "معاہدہ تاشقند" تھا پہلا معاہدہ گزشتہ ماہ فی آئی اے میں کرایا گیا تھا۔ دوہن معاہدوں میں مزدوروں کے حقوق سے غداری کر کے انھیں فروخت کر نیکی سازش کی گئی ہے اور مزدوروں کی اپنے حقوق کی جدوجہد کو روکنے کیلئے ان کی پیٹھ میں چھرا اگھوٹا گیا ہے۔ ان دونوں معاہدوں کو سمجھنے کے بعد ذہن بین اچانک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام کی خدمت صرف سرمایہ داروں کے مفاد کا تحفظ کر کے ہی ہو سکتی ہے۔ ؟

جب تک انتخاب ہو جائیں تمام مزدوروں کا توں کی روٹی بند کر دی جائے

جماعت اسلامی کے امیر مودودی صاحب نے اعلان کیا ہے کہ انتخابات سے پہلے روٹی کا مطالبہ کرنا نوالے ملک کے دشمن ہیں۔ شروع شروع میں تو اس اعلان کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ مگر اس پر جس قدر زیادہ غور کیا جائے اتنا ہی اس جملے کا مفہوم واضح ہوتا جاتا ہے اور پھر آسانی سے یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ واقعی انتخابات سے قبل روٹی کا مطالبہ کرنا نوالے ملک کے دشمن ہیں۔

بات یہ ہے کہ ملک سے مراد کنجی کے چند جاگیر دار، سرمایہ دار اور ملّاراج و وظیفوں پر پلنے والے چند نام نہاد فتویٰ فروش علماء مذہبی مجموعی تعداد چند ہزار سے زائد نہیں ہے۔ اس کے علاوہ جس قدر آبادی ہے وہ محنت کش طبقہ یعنی مزدوروں کا توں پر مشتمل ہے جو کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔ اسی وہ لوگ ہیں جن کا مسئلہ روٹی ہے اور جو انتخابات سے قبل روٹی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو اس بات کا احساس ہو چکا ہے کہ کون لوگ اس جوان کی روٹی پر غاصبانہ قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ملک نہیں ہیں بلکہ کوئی اور چیز ہیں۔ اگر انھیں انتخاب سے قبل روٹی ملے دی گئی تو یہ انتخاب کے وقت تک زندہ رہ جائیں گے۔ اور جب انتخابات تک زندہ رہیں گے تو ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے خلاف اپنا دوش دیں گے جنہوں نے ان کی روٹی چھینی ہوئی ہے اور اس طرح انھیں اقتدار سے ہٹا دیں گے اور جنہوں نے ان کی روٹی چھینی ہوئی ہے وہی لوگ اصل میں ملک ہیں اس طرح "ملک" کے خلاف دوش دینے کے لئے زندہ رہنے کا حق یعنی روٹی مانگنے والے لوگ یقیناً ملک دشمن ٹھہرے۔ سیدھی سی بات تھی۔ مگر سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اب سمجھ میں آئی ہے۔ اس سلسلہ میں اور بھی بہتر تجویز ذہن میں آئی ہے ابھی انتخابات میں چھ ماہ باقی ہیں مزدوروں اور کسانوں کی ایک کافی بڑی تعداد ایسی ہے جن کو کسی نہ کسی طرح روٹی میسر آ جاتی ہے، اور اندیشہ ہے کہ وہ انتخابات تک زندہ رہ جائیں گے۔ اس لئے مناسب ہو گا کہ ان کی روٹی بھی بند کر دی جائے

بہتے کارخانوں میں تو یہ ترکیب استعمال کی جا رہی ہے۔ جو باقی ہیں ان میں بھی نسخہ آزما کر دیکھا جائے۔ انتہائی محراب ہے اور اس سے اندیشہ بالکل ہی حتم ہو جائے گا کہ یہ "ملک دشمن" افراد انتخابات تک زندہ رہ سکیں۔

جب نو من تیل ہی نہ ہو گا تو رادھانا چے گی کیسے

جنی آئی اے میں مطالبات کے نام پر جو معاہدہ تاشقند ہوا ہے وہ پیاسی یونین کے حلقہ میں بڑی کی طرح اک کر رہ گیا ہے۔ نہ نکلا جاسکتا ہے اور نہ اگلا جاسکتا ہے۔ پہلے اس کے بارے میں کچھ گھما بھرا کرانے کیلئے اعلانات کر گئے۔ خیال تھا کہ کچھ لوگ اس بھول بھلیاں میں آجائیں گے مگر یہ خیال غلط نکلا اور لوگ سمجھ گئے کہ برتن خالی ہی ہے۔ اس لئے آواز میں اس قدر زور ہے۔ رفتہ رفتہ یہ صورت ہو گئی کہ خود معاہدہ کرانے والے معاہدے کا نام آتے ہی ایسے شرمائے گئے جیسے پہلی رات کی دہن۔

لوگ یہ انتظار کر رہے تھے کہ اس کی تفصیلات کا سرکاری طور پر اعلان کیا جائے مگر نہیں۔ وقت گزرتا رہا اور پھر اچانک ایک آئسن آرڈر کے ذریعہ یہ انکشاف کیا گیا کہ ابھی تفصیلات طے کی جا رہی ہیں۔ یا اللہ۔ یہ کس قسم کا معاہدہ ہوا تھا کہ اس کے تفصیلات اب طے کی جا رہی ہیں۔ پیاسی یونین کے رہنماؤں کا بس نہیں چلنا تھا کہ اپنے گریبان ہپاڑ کر جنگلی کی طرف چلے جائیں۔ مگر جیل سے آئے تھے۔ دھماکا دربارہ نہیں جانا چاہئے ہوں گے اسی لئے نہیں گئے۔

لوگوں کے انتظار کے لمحے اور اذیت ناک ہو گئے۔ اور یہ اذیت ناقابل برداشت ہوئی وہی مٹی کی کہ ایک طویل ایڈمن آرڈر انتہائی رازداری کے ساتھ صرف چند مخصوص لوگوں تک پہنچایا گیا۔ اس ایڈمن آرڈر سے بہت سے عجیب و غریب انکشافات ہوئے جن سے نہ صرف بی آئی اے کے مزدور ہی محفوظ ہو سکتے ہیں۔ بلکہ پاکستان کے تمام مزدور اس سے خاطر خواہ لطف اٹھا سکتے ہیں۔ بی آئی اے کے مزدوروں کے نگاہیں اس ایڈمن آرڈر میں تنہا ہوں میں اضافہ کی شق کو تلاش کر رہی ہیں۔ مگر اس مسئلہ پر اب بھی ہم خاموش اختیاری کی گئی تھی اور اب ایک بار پھر یہ تسلی دی گئی تھی کہ اس سلسلہ میں تفصیلات طے ہو رہی ہیں۔ دوسری تمام باتوں میں بھی انداز دیا اختیار کیا گیا تھا کہ۔

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔

یعنی
استمرار بھی ہے انکار بھی ہے۔
مطلب یہ کہ مطالبہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ۔۔۔
اور برچسپیں ہیں ایک نہ ایک ایسی شرط لگا دی گئی ہے کہ۔۔۔
انسان کے بس کا کام نہیں۔

مطالبات پر یونین اور انتظامیہ کے معاہدے صرف پاکستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر میں ہوئے ہیں۔ جو بی آئی اے میں کتنے ہی معاہدے ہو چکے ہیں۔ مگر انہیں روٹی کے لئے ہونیوالا یہ "معاہدہ تاشقند" اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل الگ تھا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ۔

"اس معاہدے میں طے ہونے والی باتوں میں آئندہ سال کوئی ترمیم و اضافہ صرف اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے جبکہ کمپنی کو اس سال کے منافع کے مقابلے میں ۲۵ فیصدی زیادہ منافع ہوگا۔"

دوسرے الفاظ میں آئندہ مزدوروں کی اُحسرتوں میں اضافہ جب ہی کیا جائے گا۔ جبکہ مزدور کمپنی کو ۲۵ فیصدی زیادہ منافع ہا کر دیں گے۔
اسی کو زیادہ سلیس اردو میں آپ اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ:-
نہ نو من تیل ہو گا اور نہ رادھانا چے گی۔
چلئے۔۔۔ روز روز کی مطالبہ بازی سے
کسی ہانے چھٹکارا ملے۔

ڈرائیوروں کی امداد

حادثات میں موت ہوئے ڈرائیوروں کے لئے کارپوریشن صرف ایک خاص ہونگی جو کہ اس ڈرائیور کے برادریٹ فنڈ میں ہو گا یا دوسری طرف سے پیش کی ہوئی رقم کو ضمانت کی حد تک دیکھا آئے۔ انتظامیہ کس قدر قیاض ہوتی جا رہی ہے معمولی نوعیت کے ٹریفک کے جرم کے سلسلہ میں سزا یا مدت ڈ انتظامیہ دوبارہ ملازمت دینے کے لئے منظور کئے گئے۔ مگر شرط یہ ہے ٹریفک کا جرم معمولی نوعیت کا ہے یا نہیں یہ بات انتظامیہ طے اور اس کا فیصلہ آخری ہو گا۔

یہ سمجھئے۔ انتظامیہ ٹریفک قوانین کے لئے بھی خود ہی جج بن گئی

ریٹائر ہوئے یا فائوت ہو جانے والے ملازمین کے بچوں کی ملازمت

ایسے ملازمین کے بچوں کو پی آئی اے میں ملازمت میں ترجیح دی جائے بشرطیکہ ان کے پاس مطلوبہ قابلیت اور تجربہ موجود ہو۔

ادارہ درخواست کردہ حجبہ کے لئے مناسب سمجھے جائیں۔

اب یہ بات کس سے پوچھی جائے کہ ایک عام آدمی میں اور فو، ملازم کے لڑکے میں کیا فرق رکھا گیا ہے۔

گرگوبی

گرگوبی ہر سال میں ۱۵ یوم کی تہوار سے بڑھا کر ۳۰ یوم کی تہوار کے سے ملا کرے گی۔

مگر

ادارہ مگر انتہائی بھیاںک اور خطرناک ہے کیونکہ اس میں کہا گیا ہے یکم جنوری سنہ ۱۹۷۰ سے پہلے کی تمام مدت ملازمت ہر سال کے ۱۵ دن کی تہوار کے حساب سے گرگوبی ملے گی۔

یعنی سیاسی یونین ال لوگوں کے مفادات کے لئے جدوجہد کر جو ابھی پی آئی اے میں آئے ہیں نہیں۔ یا جو یکم جنوری سنہ ۱۹۷۰ کے بعد آئے ہیں۔

پنشن ایکم

اس کے لئے کارپوریشن کسی انٹرنس کمپنی سے بات چیت کر۔ جو ملازمین جاب میں آئے برادریٹنگ کی رستم سے ایڑی خرید سکیں۔ کارپوریشن سلسلہ میں ملازمین کو کیا دے رہی ہے یہ کارپوریشن ناکان سکتی ہے۔ یا پھر یونین کے تائیدین۔ مگر معاہدہ تاشقند میں اس سے کم از کم ایک ہشت کا تو ہوا۔

اور ایسی شتوں کے اضافے سے شاہیں جن کے کوئی معنی مطلب اس میں تو کسی کی سمجھ میں آتی ہیں سکتے۔ خود سیاسی یونین کے تائیدین اورا کے ذمہ داران بھی ان شتوں کا مطلب نہ سمجھا سکیں گے۔ اور انہیں باتوں کی بنیاد پر پی آئی اے کے مزدوروں نے اس معاہدے کو پی طور پر "م تاشقند" کا نام دیا ہے۔ کیونکہ معاہدہ تاشقند کے لئے یہ بات لازمی ہے کہ تاشقند میں ہو اہو۔

وہ کہیں بھی ہو سکتا ہے۔

معاہدہ تاشقند کے لئے اب جو چیزیں ضروری ہیں وہ یہ ہیں۔

اس معاہدے کے وقت جو فیہ سمجھوتے کئے گئے ہیں ان کی رو سے انتظامیہ اپنا تمام حرکتیں کرنے کی بجائے ہونگی ہے کہ مانع ہیں ۲۵ فیصد اضافہ قیمت دور کی بات ہے۔ موجودہ مانع کا صرف ۲۵ فیصد ہی رہ جائے تا ہی بڑا غنیمت ہے۔

اس سلسلہ میں انتظامیہ اور سیاسی یونین کے کچھ تجربے سے مزدوروں میں غنڈہ گردی خوف و ہراس کی حرفت پیدا کی گئی ہے۔ اس سے مزدوروں میں بروی پھیلی جا رہی ہے اور ان کی کارکردگی متاثر ہو رہی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ میرانی طرہ پالیسی سے اعتراض کرتے ہوئے ادب کے گرد یونین میں براہ راست اندھا دھند نظری انتظامیہ کی مرضی سے، خوشامدیوں اور موافقہ پرستوں کی ترقیاں اور دوسرے اقدامات سے بھی کافے اثر پڑنے کا امکان ہے۔ دوسری طرف خود سیاسی یونین کے تائیدین بار با اس بات کا اعلان کر چکے ہیں کہ

"سیاسی یونین کے قیام کا مقصد معاشی مطالبات کا حصول نہیں ہے بلکہ سوشلسٹوں سے حصہ کارا حاصل کر کے اسلام پسندوں کے ہاتھوں میں مزدوروں کی قیادت دینا ہے اور یہ مقصد ہم نے حاصل کر لیا ہے۔"

چنانچہ اب مزدوروں کو اطمینان کے ساتھ اس خوف و دہشت اور غنڈہ گردی کی فضا میں اپنی زندگی کے باقی دن کاٹنے کی فکر کرنی چاہئے جو گذشتہ دو دھائی ماہ سے اسلام پسند تائیدین نے پی آئی اے میں پھیلا رکھا ہے اور جس کو پی آئی اے انتظامیہ کی بڑی پوری حمایت و اعانت حاصل ہے۔

مذکورہ بالا ایڈیشن آرڈر میں جو مزید تفصیلات دی گئی ہیں وہ یہ ہیں :-

طویل بیماری

اس صورت میں جب ماہ تک بیماری کی اسپتال چھٹی دی جاسکتی ہے۔ بشرطیکہ اسپتال لیوورڈ نے اس کے لئے سفارش کی ہو اور اس کے باوجود اس چھٹی کے لئے کا انحصار انتظامیہ کی مرضی و منشا پر ہو گا۔ اور انتظامیہ کی مرضی و منشا کے تحت ہو گا۔

سو فیصد رعایتی ٹکٹ

پہلے یہ رعایتی ٹکٹ SU B L ۵ کہلاتا تھا۔ اب اس کو SU B L ۵ - II کہا جائیگا۔ یعنی پہلے جو حیثیت SU B L ۵ ٹکٹ رکھنے والے کی ہوتی تھی وہی حیثیت اب SU B L ۵ - II ٹکٹ رکھنے والے کی ہوگی۔ ٹکٹ کا نام بدل جانے سے کیا فرق پڑ سکتا ہے۔ یہ بات پی آئی اے کے تمام مزدور جانتے ہیں۔ پی آئی اے انتظامیہ اور سیاسی یونین کے تائیدین نہ جانتے ہوں تو اور بات ہے۔

حج کی سہولت

حج کی ہر سردار پر پی آئی اے کے ایک ملازم کے لئے سیت ریز رو کی جائے گی۔ مگر اس کے لئے بھی حکومت پاکستان کی منظوری کی شرط ہے۔ اور حکومت پاکستان کی منظوری اس بات سے دیکھیں جاسکتی ہے کہ ہر سال لاکھوں افراد قمرہ اندازی میں نام نہ نکلنے کی وجہ سے حج کی سعادت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

ترقیات

ملازم کی ترقی صرف اہلیت کی بنیاد پر ہوا کرے گی۔ اور اس کے علاوہ کوئی چیز بنیاد نہیں ہے گی۔ اور اہلیت اور مزدوریت کا معیار انتظامیہ خود طے کرے گی۔ اس سلسلہ میں انتظامیہ کا فیصلہ آخری اور پابند ہو گا۔ یہ سمجھئے۔

ہے پی ایل یو اس مدعی بھی منصف بھی

- ۱۔ اس میں اصل حقداروں کے حقوق و مفادات سے غداری کرتے ہوئے سودا بازی کی گئی ہو۔
 - ۲۔ اس کا مطلب کسی کی سمجھ میں نہ آسکا ہو۔
- اور یہ دونوں باتیں اس معاہدہ میں پوری طرح موجود ہیں۔

اسلام پسند ٹریڈ یونین سرگرمیاں یعنی گسٹاپوسٹم

گذشتہ ماہ ہم نے پیاسی یونین کی نئے انداز کی ٹریڈ یونین سرگرمیوں کا جائزہ پیش کیا تھا اور یہ توقع ظاہر کی تھی کہ اس قسم کی سرگرمیاں براہِ جاری رہیں گی۔ اور رفتہ رفتہ لوگ ان سرگرمیوں سے باز نہیں ہوتے چلے جائیں گے۔ بہر حال اب ان سرگرمیوں میں خاص طور پر مشرقی پاکستان میں ریفینڈم کے بعد سے مزید شدت آگئی ہے۔ ان ٹریڈ یونین سرگرمیوں میں پی آئی اے انتظامیہ کا پورا پورا تعاون و اشتراک پیاسی یونین کو حاصل ہے اور اس طرح ان سرگرمیوں میں پوری طرح مودودی صاحب کے پیش کردہ "اسلامی نظام" کی خصوصیات پیدا ہو گئی ہیں۔ یہ تعاون و اشتراک کثرتاً اس قدر زیادہ ہو جاتا ہے کہ انتظامیہ اور یونین میں امتیاز کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

ابھی گذشتہ ماہ مشرقی پاکستان میں ریفینڈم کے موقعہ پر پیاسی یونین نے اسلام پسند "جمادین" کا خصوصی دستہ ڈھاکہ بھیجا تھا اس کے نئے انتظامیہ نے وہ ترجیحی ٹکٹ جاری کئے تھے جو ۱۔ B 5 اور ۷ کہلاتے ہیں اور وہ فرن ڈیوٹی پر بھیجے جاتے تو لے انسان کو ہی دے جاتے ہیں۔ اس اشتراک و تعاون کا بہترین مظاہرہ ڈھاکہ میں ریفینڈم کے موقعہ پر دیکھنے میں آیا جبکہ انتظامیہ کے انسان اور پیاسی یونین کے میجر بن مشترکہ طور پر پیاسی یونین کے حق میں پروپیگنڈہ کر رہے تھے۔ وہاں کے ریفینڈم میں شکست کا غم بھی دونوں کو ایک ساتھ ہوا تھا مگر ہماری اطلاعات کے مطابق اس غم کو محاذ پر نہیں ادا انتظامیہ کے لوگوں نے الگ الگ غلط کیا تھا۔

معاہدہ تاشقند کی پول کھل جانے کے بعد سے ٹریڈ یونین سرگرمیوں میں کافی حد تک گسٹاپو کا انداز پیدا ہو چکا ہے اور پیاسی یونین کے کارکنان اب فن جاسوسی میں تقریباً نہایت پیدا کر چکے ہیں۔ یہ جاسوسی نہ صرف عام مزدوروں کے خلاف کی جاتی ہے بلکہ خود پیاسی یونین کے کارکنان ایک دوسرے کے خلاف بھی کرتے رہتے ہیں۔ اس کی ضرورت انہیں لئے محسوس کی تھی کہ مولانا امان اللہ خاں اور کچھ دوسرے کارکنان مشتبہ قسم کی سرگرمیوں میں ملوث پائے گئے تھے۔ آپس کے شکوک و شبہات خلیے درجے کے کارکنوں سے بڑھتے بڑھتے اور تک پہنچ چکے ہیں بلکہ شاید بے یونین کے صدر اور جنرل سیکریٹری صاحب نے ایک دوسرے کے خلاف جاسوسی کرنے کے لئے کچھ جاسوس مقرر کر دئے ہیں۔ لطف جب آیا۔ جب جنرل سیکریٹری صاحب کو جناب صدر کی جاسوسی کے لئے اپنے مقرر کردہ جاسوس کے بارے میں یہ اطلاع ملی کہ وہ تو خود جناب صدر کے ایاء پر جنرل سیکریٹری صاحب کی جاسوسی کر رہا تھا۔

دفتروں میں کوئی فرد اپنی جگہ سے اٹھ کر کسی ضرورت سے بھی کہیں جاتا ہے تو وہ فوراً پیاسی یونین کے کارکنوں کا ایک خصوصی دستہ متعلقہ انسان کے پاس شکایت لے کر پہنچ جاتا ہے کہ ظالم شخص ڈھائی منٹ سے اپنی سیٹ پر بیٹھتا ہے۔ سنا ہے کہ انتظامیہ پیاسی یونین کی اس شکایت کو دور کرنے کے لئے ہر ملازم کی سیٹ کے ساتھ ہی رنج حاجت کے لئے مناسب برتنوں کا انتظام کر دیتی ہے۔ دفتروں میں آپس میں لوگوں کا گفتگو کرنا جہنم قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ گفتگو کسی موضوع پر بھی شروع ہو اس بات کا خدشہ رہتا ہے کہ کہیں اس کا رخ ان مطالبات کی طرف نہ جائے۔ جو صرف دکھانے کے لئے عائد کر دئے گئے۔ اگر ان تمام گوشوں کے بعد بھی لوگ آپس میں بات کر لیتے ہیں اور دبی زبان میں معاہدہ

تاشقند کے مردہ نشینوں کا تذکرہ ہو جاتا ہے تو اسلام پسند پیاسی یونین کے جمادین فوراً جہاد پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس جہاد کا خطا ہر پی آئی اے میں ایک ماہ میں کئی بار ہو چکا ہے۔ گذشتہ ماہ ایئر ویز ایمپلائز یونین کے نائب صدر حاجی محمد عالم کے مقابلہ پر بارہ سیرہ جمادین نے جہاد کیا تھا۔ اور صرف یہ جہاد ہی کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ انتظامیہ سرکشی خواہشی فراہم عائد ہوئے ہیں انہیں بھی پورا کیا گیا۔ اور انتظامیہ نے حاجی محمد عالم کو شوکا زونٹس بھی جاری کر دیا۔ ابھی ۱۶ مارچ کو ایئر ویز ایمپلائز یونین کی مجلس عاملہ کے ایک رکن حبیب سجاد کے خلاف بھی تفریقاً بیس اسلام پسند جمادین نے زبردست جہاد کا نظارہ کیا۔ امید ہے کہ انتظامیہ جلد از جلد حبیب سجاد کو بھی کوئی چارج شیٹ یا برطرفی کا پروانہ دیکر اپنی اسلامی ذمہ داریوں سے عہدہ برائوگی۔

ٹریڈ یونین سرگرمیوں میں مزید جو کارنامے انجام دئے گئے ہیں۔ مختصر اذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ ادارہ دستور کے ایک سابق رکن اور یونین کے ایک کارکن ذکی عباس کو اپنی سیٹ سے کچھ دیر کے لئے ہٹنے کے جرم میں شوکا زونٹس جاری کر دیا گیا۔

۲۔ ایئر ویز ایمپلائز یونین کے ایک شاہ اسٹیوارڈ سردار نقوی کا بلنگ آفس کینٹین سے تبادلاً کر دیا گیا۔

۳۔ کینٹین کے چیف شاہ اسٹیوارڈ حبیب سجاد کو ایئر پورٹ کی مین کینٹین سے تبادلاً کیا گیا۔

۴۔ ایئر ویز ایمپلائز یونین کا دفتر خالی کر دیا گیا۔ اس سلسلہ میں پیاسی یونین اور پی آئی اے انتظامیہ دونوں کی کوششیں قابلِ مبارکباد ہیں۔ کیونکہ دفتر خالی کرانے کے لئے دونوں ہی ایک دوسرے کے اشاروں پر ناپاچ رہے تھے۔

۵۔ ایئر ویز ایمپلائز یونین کے چیف شاہ اسٹیوارڈ حبیب سجاد کو پندرہ بیس غنڈوں نے ہاتھوں بٹا دیا گیا۔

۶۔ ایئر ویز ایمپلائز یونین کے ایک کارکن فیروز گل حمید کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔

۷۔ اسٹاٹ کینٹین کے چیف شاہ اسٹیوارڈ حبیب سجاد کو اس الزام میں جواب طلبی کا پروانہ دیا گیا کہ انھوں نے ایک روز کی اتفاقی چھٹی پہلے سے درخواست دئے بغیر کیوں لی۔

۸۔ راولپنڈی کے ایئر ویز ایمپلائز یونین کے ایک عہدیدار رحیم داد کا تبادلہ کراچی کر دیا گیا کیونکہ بندڑی کے اسٹاٹ میں پیاسی یونین کے خلاف نفرت بڑھتی جا رہی تھی۔

۹۔ بندڑی میں ایئر ویز ایمپلائز یونین کے ایک اور کارکن اکرم شیخ کا بھی اسی بنا پر کراچی تبادلہ کر دیا گیا کہ ان کی موجودگی سے پتہ چلی کہ پیاسی یونین کے قدم اکھڑتے محسوس ہو رہے تھے۔

۱۰۔ ایئر ویز ایمپلائز یونین کے نائب صدر حاجی محمد عالم کو جن کے خلاف گزشتہ ماہ عندہ گوردی تھی اسی اسیٹ انھیں کو مزید ایک شوکا زونٹس جاری کر دیا گیا ہے۔

۱۱۔ موٹر ٹرانسپورٹ سیکشن کے شاہ اسٹیوارڈ فیصلت خان کو راولپنڈی تبدیل کر دیا گیا۔

۱۲۔ ایک اور ایم ٹی مینک قیوم کو لاہور تبدیل کر دیا گیا۔

اس کے علاوہ ابھی برطرفیوں، تبادلوں اور چارج شیٹوں کی ایک طویل فہرست پیاسی یونین اور پی آئی اے انتظامیہ کے زیرِ غور ہے اور اس سلسلہ میں جلد ہی کارروائیاں ہونیکا امکان ہے (باقی صفحہ ۳۲ پر)

مشرقی پاکستان میں ریفرنڈم پیاسی کیلئے پلٹنے میدان ثابت ہوا

حامیوں کو ہندوؤں کا ایجنٹ سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی فریج پرست اہمائی بے شرمی سے ان ہندوؤں کے ایجنٹوں کے ایجنٹ بن گئے۔ کہا جاتا ہے کہ مغربی پاکستان میں پیاسی کی کامیابی کے بعد مشرقی پاکستان پیاسی کے صدر جب ڈھاکہ پہنچے تو جاتیوسراک لیگ کے سرکریٹری عبداللہ انان کا استقبال کرنے ایئر پورٹ آئے۔

لیکن مشرقی پاکستان کے حالات اس تیزی سے بدلے کہ ان کو نہ تو جہالت مودودی کی ذلیلہ غوار بھیل سکے اور نہ ہی جاتیوسراک لیگ کے کرتا دھرتا۔ پلٹن میدان میں جماعت مودودی کی محنت کا فیصلہ کچھ اس انداز سے ہوا کہ سارا معاملہ چھوٹ ہو گیا۔ اب جاتیوسراک لیگ کھلم کھلا جماعت مودودی کی حمایت کرتے سے قاصر تھی۔ اس لئے پیاسی کو اپنی پالیسیوں میں تبدیلی کرنی پڑی۔ وہی لوگ جو "کبھی" جاگو جاگو "مسلم جاگو" کے نعرے لگاتے تھے۔ اب "جاگو جاگو" بن گیا جاگو کے نعرے لگاتے لگے انھیں۔

بیان بھی دینا پڑا کہ پیاسی کا تعلق "جماعت اسلامی یا کسی رجعت پرست جماعت" سے نہیں ہے اس طرح پیاسی اور جاتیوسراک لیگ کے گٹھ جوڑ نے مشرقی پاکستان میں اس فٹلے کا بھانڈا بھوڑ دیا۔ جو جاتیوسراک لیگ جماعت مودودی کی مخالفت کر کے کھینچ رہی ہے اور اسی گٹھ جوڑ نے اس حقیقت کا اظہار بھی کر دیا کہ جماعت مودودی مغربی پاکستان میں چھ نکات اور عوامی لیگ کو خواہ کتنی ہی کالیاں کیوں دے لیکن اس پر وہ علاقوں کی راہ میں تلاش کی جارہی ہیں۔ یہ قانون ممکن ہے پیاسی میدان میں نہ ہو سکے لیکن مزدوروں کے اتحاد میں رخنہ ڈالنے اور سرمایہ داروں کی مخالفت کرنے میں سیاسی اختلافات کی طرح حائل نہیں ہو رہے ہیں۔

مغربی پاکستان کے ریفرنڈم میں اختلافیہ نے کھلم کھلا پیاسی کا ساتھ دیا تھا۔ اور اس روایت کو مشرقی پاکستان میں کیوں دہرایا جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ ایم ڈی وٹائی ٹکے مشرقی پاکستان کی کئی اہم سیاسی شخصیتوں سے ملاقاتیں کر کے پیاسی (بلکہ جنم جہلم پیاسی) کی پیاس بھانے کا اہتمام کیا۔ مقامی انتظامیہ کو پیاسی کی مدد پر وہ اور کھلم کھلا حمایت کرنے کی ہدایات دی گئیں۔ ایئر ویز کے کارکنوں کو چھاپے خٹوں اور تبادلوں کے ذریعے بڈلی اور وسپت پھیلاتے کی کوشش کی گئی۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ آڈ کارپوریشن کے توڑ کے لگ بھگ کارکن مغربی پاکستان لے گئے۔ "ان کارکنوں" کو "مجاہد فورس" کا نام دیا گیا تھا۔ مادہ ان کی قیادت کا بابر اعظم مجید ریجن کے سپرد تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ان افراد کو اختلافیہ نے سفر کی جدوجہد فرام کی تھیں اور ان کا خرچہ یہ تھا کہ وہ کراچی کی طرح ڈھاکہ میں بھی غنڈہ گردی کے حالات پیدا کر کے پیاسی کی ناؤ پار لگادیں۔ لیکن ہر اہم مشرقی پاکستان کے سیاسی سماجی اور مذہبی حالات کا کہ ان کے کہنے کمرائے پر پانی پھر گیا اور جو لوگ غنڈہ گردی کرتے تھے کئے کئے کھڑوں میں اپنا منہ چھپانے پر مجبور ہو گئے۔

یہ کرائے کے کارکن ڈھاکہ شہر کے ان علاقوں میں گھومتے دیکھ کر کہاں جاتی آئی ان کے اردو بولنے والے افراد جیتے ہیں۔ انہیں مغربی پاکستان تبادلوں کے کالے دیے گئے۔ اور اردو بولنے کے ناطے مغربی پاکستان پیاسی کی حمایت کی بھیک مانگتی گئی۔ اس زہر الودہ پروپیگنڈے سے کچھ ذہن اور متاثر نہ ہوئے۔ لیکن باوجود اس کے اس متناقض طریقہ کار کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ ایک طرف تو اردو بولنے والوں کے ساتھ یہ ڈرامہ کھلا جارہا تھا اور دوسری طرف ریفرنڈم کا نفرنس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ریفرنڈم کے دن تمام میٹرز اور بیچ صرف ننگے زبان میں چھاپے جائیں گے۔ اور اسی کا نفرنس میں ان خوروں کو اپنا باگیا جینیں سن کر جماعت اسلامی کو بخار چڑھ آتا ہے۔ لیجئے آپ بھی ان خوروں کو سنئے :-

جاگو جاگو — بن گیا جاگو
املاویش، تمارویش — بنگلہ دیش، بنگلہ دیش

پیاسی مغربی پاکستان کے صدر جناب حافظ اقبال نے مشرقی پاکستان میں پیاسی کے ملازمین کے ریفرنڈم سے پہلے ایک اخباری بیان کے ذریعہ سختی و صداقت کی فتح کی بشارت دی تھی۔ لیکن سختی و صداقت کی فتح کے بعد انھیں سانپ سونگھ گیا۔ اور پیاسی نے مشرقی پاکستان کے باشعور مزدوروں کو بدنام کرنے کی ہم شروع کر دی، میاؤں کے ہٹاؤں اپنی شکست کو چھپانے کے لئے ہراس "کھینچے" کو فوجی اس کا سہارا لے کر وہ کامیابی کے خواب دیکھ رہے تھے۔ کیا عجیب بات ہے کہ جاتیوسراک لیگ سے الحاق کے باوجود عوامی لیگ کو کالیاں دی گئیں، پانچور بنگالی ملازمین کو اپنے آقاؤں کی طرح "ہتھوڑوں" انتشار پسندوں اور علیحدگی پسندوں "کا لہ کار" کہا گیا۔ اور اس پر وہ "وہ" مخصوص مفادات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی مشرقی پاکستان کے خلاف زہر آلود پروپیگنڈہ کر کے جماعت مودودی اور اسی قماش کی دوسری سیاسی جماعتیں مغربی پاکستان میں حاصل کرنا چاہتی ہیں۔

مشرقی پاکستان میں پیاسی نے کامیابی حاصل کرنے کے لئے وہ تمام نڈر م جھکڈے اختیار کئے جن کا تجربہ مغربی پاکستان میں کیا جا چکا تھا۔ رجعت پرست سرکاری حلقوں کی سرپرستی حاصل کر کے ایئر ویز، ایمپلائز یونین، آئی اے سراج کی رجسٹریشن کی درخواست کو طویل عرصہ تک ملتوا دیں رکھا گیا۔ پیاسی اس کی انتظامیہ نے اپنی آلہ کار یونین کی کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے اتنی کے لگ بھگ ایئر ویز، ایمپلائز یونین کے صدر باروں اور سرگرم کارکنوں کے ڈھاکہ سے ہٹا دئے کہ ان کے "میدان صاف" کرنے کی کوشش کی۔ وٹائی کے اشارے پر پیاسی آئی اس کے بعض افسران کھلم کھلا پیاسی کی حمایت پر لگا دیئے گئے، عوامی جمعیت کی آگ بھڑکانے کے لئے ہمارا جین میں ایمان الگ پر پیگنڈہ کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی چھ نکات کی حامی جاتیوسراک لیگ سے الحاق کر کے خود کو بنگالی قومیت کا جین بنی ظاہر کیا گیا۔ اس طرح بنگالی اور غیر بنگالی ملازمین میں بغاوت اور تعصب کو بھادی گئی۔

اس نفرت کے باوجود ریفرنڈم کا نتیجہ یقیناً مزدوروں کے طبقاتی شعور، ان کے نظم و ضبط کی کامیابی ہے۔ مشرقی پاکستان میں پیاسی اور جاتیوسراک لیگ کے اتحاد کی کہانی اتنی ہی پر رطبت ہے جتنی مغربی پاکستان میں پیاسی اور کنونشن مسلم لیگ کے اتحاد کی کہانی ہے۔ ہوا یہ کہ مغربی پاکستان میں جماعت مودودی کی آلہ کار یونین کو جب مزدوروں نے دھتکار دیا۔ تو اس نے کنونشن مسلم لیگ کی گود میں پناہ حاصل کی اور محسن صلیبی کو صدر تسلیم کر لیا اور سکریٹری بنا کر لوٹ خال سے گھبرے ہوئے کھڑا کر دیا تھا۔ جماعت کی پروردہ یونین کا مزدور مجاہد پر کنونشن مسلم لیگ سے اتحاد کوئی اتفاق یا حادثاتی امر نہیں تھا۔ بلکہ اقتدار کے لئے لڑنے والے ان متحارب گروہوں میں طبقاتی اتحاد ہونا منطقی امر ہے۔ کنونشن مسلم لیگ سے اتحاد کرنے اور ان بدنام زمانہ افراد کو اپنی یونین کے اہم عہدے پیش کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ سرمایہ داروں کو اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کیا جائے۔ کچھ ایسا ہی ڈرامہ مشرقی پاکستان میں کھیل گیا۔ جماعت کی پروردہ یونین کو کنونشن مسلم لیگ کے صدر راہ حسن عسکری نے غیر معمولی دلچسپی لے کر اپنی جہدیں ہی رجسٹریشن دلوا دیا تھا۔ رجسٹریشن دلوانے کا اصل مقصد تو اس وقت یہ تھا کہ اس کے ذریعہ یونین اقتدار کو سہارا دیا جائے۔ اور جماعت مودودی کے ذریعے مشرقی پاکستان کے باشعور مزدوروں اور کارکنوں کی انقلابی جدوجہد کو سبوتاژ کیا جائے۔ قبل اس کے کہ جماعت مودودی کے زہر خیز غلام کنونشن مسلم لیگ کی کوئی قابل ذکر خدمت انجام دے سکے ان کے آقاؤں کو عوام نے اقتدار سے اتار پھینکا اور ان کے سارے منصوبے پر پانی پھر گیا۔ حالات کا رخ بدلتے ہوئے دیکھ کر انہوں نے ایک اور قلم بازی لکھائی اور جاتیوسراک لیگ سے الحاق کر لیا۔ جاتیوسراک لیگ سے جماعت کی پروردہ یونین کے الحاق میں وہی طبقاتی ہم آہنگی کام آئی حالانکہ بھی جماعت مغربی پاکستان میں چھ نکات کے

فرخا بیراج کا تذکرہ

اپریل ۶۰

مشرقی پاکستان کے لئے ایک مندرجہ ذیل دیا ہے۔ اس بند کی پھر سے مشرقی پاکستان کے وسیع زرخیز علاقہ کے بخر ہو جانے کا خطرہ ہے۔ پاکستان کے احتجاج کے بعد سیکرٹریوں کی سطح پر متعلقہ مسائل پر گفتگو کا سلسلہ شروع ہونے کا کافی عرصہ گزر چکا۔ ۲۴ فروری سے ۲ مارچ تک بھارت اور پاکستان کی متعلقہ وزارتوں کے سیکرٹریوں کے درمیان بات چیت چوتھی بار جاری رہنے کے بعد ایک مشترکہ اعلان جاری ہوا جس میں بتایا گیا تھا کہ اسلام آباد میں دونوں دفاتر نے فرخا بیراج اور شرقی دریائوں سے متعلق دیگر امور پر گفتگو کی یہ گفتگو انتہائی خوشگوار ماحول میں جاری رہی۔ یہ طے پایا کہ چار ماہ کے اندر نئی دہلی میں سیکرٹریوں کی سطح پر دوبارہ میٹنگ ہوتی کہ متعلقہ امور پر گفتگو آگے بڑھے اور ”وزارتی سطح پر اجلاس کے جلد انعقاد کے لئے فضائیہ تیار ہو“

بھارت کے رویہ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ گفتگو کو طول دے کر وقت حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ اس اثناء میں منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچ جائے اور پاکستان بغیر مساویانہ مجبوری کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ بھارت فرخا بیراج کے مسئلہ کو شائع کرنے کے ساتھ وابستہ کر کے سووے بازی کرنے لگے۔

پاکستان کے بعض عوام دشمن حلقوں کی طرف سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ پاکستان اس مسئلے کو اقوام متحدہ میں پیش کرے۔ ماضی کے تجربات کی روشنی میں اقوام متحدہ سے یہ توقع وابستہ کرنا کہ وہ حق و انصاف کا ساتھ دے کر اصولوں سے انحراف کرنے والوں کو ایسا کرنے سے باز رکھے گی، حقیقی کیا حجت میں رہنے کے مترادف ہے۔

بعض اوقات چند سیاسی غلطیوں کا نتیجہ پوری قوم کو ایک طویل عرصہ تک بھگتنا پڑتا ہے۔ ہندوستان کا پاکستان کے ساتھ برٹ و دھری کا رویہ نتیجہ ہے پاکستان کی خارجہ پالیسی کا بے اختیار کر کے ہم نے خود کو بڑی طاقتوں کی باہمی رقابتوں میں الجھا دیا ہے اور جس میں آج تک ہم الجھے ہوئے ہیں۔ اصولوں کے معاملے میں کسی قسم کی چلک دکھانا کمزوری کی علامت ہے۔ خواہ یہ کمزوری اس ضرورت کے پیش نظر ہی کیوں نہ ہو کہ اسی طرح اقتصادی اور ملے کے زیادہ امکانات پیدا ہو جا سکیں گے۔ بہر حال یہ کمزوری وقتاً فوقتاً اڑے آتی رہتی ہے اور اسی کمزوری سے بڑی طاقتیں اور بھارت یکساں طریقہ پر فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔ ضرورت ہے اس بات کی کہ اقتصادی امداد کے عنصر کو نظر انداز کرتے ہوئے حاکم قومی اجمیت کے حامل اصولی معاملات کو خارجہ پالیسی کی بنیاد بنایا جائے جو ہمارے اصولی موقف کی عملی تائید و حمایت کرے وہ دوست اور جو نہ کرے اسے اگر دشمن نہ بھی سمجھا جائے تو بھی دوست کے ذمے میں اس کا شمار نہ ہونا چاہیئے۔ خواہ وہ ایک ایسی طاقت ہی کیوں نہ ہو جو قرض دینے کی استطاعت رکھتی ہو۔ خارجہ پالیسی میں جس دن یہ مثبت ٹوٹا گیا۔ اگلے ہونے مسائل کا حل قریب آجائے گا یہ ٹوٹا اس بات کا معقنی ہے کہ عوام کی بے پناہ صلاحیتوں پر انحصار کیا جائے۔ ہر مسئلے کے حل کے لئے ان کو اعتماد میں لیا جائے۔ اور جب چارہانہ طاقتیں ہمارے قومی حقوق کو غصب کریں تو ان کے خلاف عوام بھڑک اٹھیں تو قومی مفادات کا تحفظ ممکن ہو سکیں۔

بقیہ نوک نشتر

زہرہ فونا اور ساطع الجبلی کا مشن ایک ہی تھا

سوشلزم کے بڑھتے ہوئے ریلے کو دیکھنے کیلئے طرح طرح کے طریقے آزمائے گئے۔ مگر ابھی تک کوئی بھی کارگر ہوتا نظر نہیں آ رہا ہے۔ ملکی وسائل کے علاوہ غیر ملکی سفارت خانوں کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔ دسنا ہے سوشلزم کے خلاف ہر تقریر کے لئے ملک کے سرمایہ داروں کی طرف سے جو رستم مقرر ہے اس کے علاوہ ایک غیر ملکی سفارت خانہ بھی ایک مخصوص رستم دیتا ہے، والدہ علم بالقبول (مگر نتیجہ ہمیشہ دھاک کے تین بات۔ جو نام نہاد علما و اپنی سامراج نوازی اور عوام دشمنی میں پہلے ہی بے نقاب تھے۔ ان کے علاوہ کچھ ”خشیتہ“ علما کی خدمات حاصل کر کے ایک ہی

ہفت روزہ کے شاعر کے بقول فتویٰ کا ایم ایم جی جھوٹا گیا لیکن پاکستانی عوام کا جاکا ہوا شعور اس ایم ایم کے لئے بالکل ویت نامی عوام ثابت ہوا۔ اور ایم ایم بھی بیکار رہا۔

مادرسن بجز گزشتہ سال عراقی علما و برطلم و تشرد کی فرضی داستانیں بنا کر سوشلزم کے خلاف ایک طوفان کھڑا کیا گیا تھا اس کے لئے سبب ملکی و غیر ملکی وسائل کا کافی ثابت ہونے لگا تو ارجنٹائن سے ایک عراقی عالم ساطع الجبلی ہر آمد کئے گئے تھے۔ اس تازہ حکم سے پروپیگنڈہ کو اچھی خاصی تقویت مل گئی تھی اور ممکن تھا کہ جلد ہی رائے عامہ عراقی علما و برطلم و تشرد کے پروپیگنڈہ پر یقین کر کے سوشلزم کے خلاف ہو جاتی۔ مگر کسی بد بخت نے یہ بھانڈا پھوڑ دیا کہ ساطع الجبلی ارجنٹائن سے تشریف لائے ہیں اور سی آئی اے کے تربیت یافتہ ہیں۔ ان کا عراق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس پھر کیا تھا۔ سوشلزم کے خلاف پروپیگنڈہ نے اور اٹلا اتر دکھایا۔ اس کے بعد سے وہ ارجنٹائن سے ”عراقی عالم“ ایسے غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینک۔

اب ایک بالکل الٹا طریقہ اختیار کیا جانے والا تھا۔ مگر افسوس کہ اس طریقہ کے اختیار کئے جانے سے پہلے ہی پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن سے متعلق ڈاکٹروں اور کچھ دینی شخصیتوں نے اس طریقہ کار کا بھونڈا بھی پھوڑ دیا۔ اس بار انڈونیشیا سے ایک ۲۱ سالہ خاتون زہرہ فونا بمع اپنے شوہر شریف الدین اور ایک نامور دھارماتزادہ کی خبر کے وارد ہوئی ہیں۔ ۲۰ آگے ہی انہوں نے اعلان کیا کہ ان کے سرٹ میں ایک تہہ ماہ کا بچہ ہے جو نہ صرف پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہے بلکہ روزے بھی رکھتا ہے اور صبح کی اذان دیکر آن کو جگاتا ہے اور پھر اپنے والد کو جگانے کی ہدایت کرتا ہے، اکثر کھانے کیلئے چاند اور اچاری کی فرمائش بھی کرتا ہے۔ انڈونیشیا کے صدر سوہارتو اور وزیر دفاع نوسٹیان بھی اس بچے کے ساتھ نماز پڑھ چکے ہیں۔ یہ بچہ آئندہ سال حج سے دو روز قبل مکہ معظمہ میں پیدا ہوا تھا۔ بچہ نے خواہش ظاہر کی تھی کہ پاکستان جا کر صدر یحییٰ خان سے ملاقات کرے گا۔

اس سلسلے میں اخبارات میں جو گھنٹاؤں کی قسم کی تفصیلات شائع ہوئی ہیں وہ کسی طرح بھی شریف ہو نہیں سکتیوں کو پڑھانے کے قابل نہیں ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ اس قدر عیاں تصاویر بھیجیں اگر شائع کرائی گئی ہیں جن میں زہرہ فونا انتہائی بے حیائی سے پیٹ کھولے پڑتی ہیں اور لاکھوں انڈونیشی مسلمانوں کا قابل سوہارتو سامنے کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے۔

اس سارے ڈرامے کو ہم تو خیر اسی وقت ایک سارنٹ سمجھ چکے کہ اس میں سوہارتو اور نوسٹیان کا نام آیا تھا۔ چونکہ یہ دونوں نام اب سارنٹ کے ساتھ لازم و ملزوم کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ چنانچہ فوراً ہی ہم کو خیال پیدا ہوا تھا کہ اب بہت جلد ہی اس بچہ کی طرف سے یہ اعلان کیا جائیگا کہ سوشلزم اسلام کے خلاف ہے، ہم نے کوئی تہانک سوچ لیا تھا کہ یہ بچہ حدہ میں ہونے والی اسلامی ممالک کی کانفرنس کے موقع پر حذرہ جانے کی خواہش ظاہر کرے گا اور بہت ممکن ہے کہ اس کانفرنس کو بھی یہ مشورہ دے کر کہیں کہ یہودی صاحب کتاب ہیں اس لئے اسلامی سوشلسٹ ممالک کے مقابلے میں اسرائیل کی حمایت کرنا چاہیے۔

مگر افسوس کہ ہماری سوچی ہوئی باتیں اب پوری نہ ہو سکیں گی کیونکہ ڈاکٹر علی نے اس خبر کو ایک جھوٹ، ”ڈوننگ“ اور شیعہ بازی سے تعبیر کیا ہے۔ کامش کہ محترمہ زہرہ فونا شیعہ بازی کرتی مگر مقدس مذہب اسلام کو اس طرح مذاق نہ بنائیں۔ جس طرح انہوں نے بنایا ہے۔ نوسٹیان اور سوہارتو کے زیر سایہ انڈونیشیا میں اسلام کا اس طرح مذاق اڑایا جا سکتا ہو گا کہ پاکستان کے عوام اپنے عقائد میں بہت یختہ ہیں اور وہ اپنے عقائد کے ساتھ اس طرح کھیلنے کی اجازت نہیں دینگے۔



حکمرنامہ

داؤد کاٹن ملز کی انتظامیہ کے مزدور دشمن رویے سے تنگ آکر مزدور نے ہڑتال کر دی ہقسیم کی اشتعال انگیزی اور تشدد کے باوجود مزدور اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ (ذین الدین خان)

کراچی ۲۴ مارچ (نامہ نگار منسٹر) قومی مزدور محاذ کے کنوینر ذین الدین خان نے ایک اخباری بیان میں داؤد کاٹن ملز کے ہڑتالی مزدوروں کے خلاف کراچی انتظامیہ کے تشدد آمیز رویے پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ہڑتال کو قطعی قانونی قرار دیا ہے اور اس کی بھرپور حمایت کا اعلان کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ داؤد کاٹن ملز لیبر یونین کی پیش کردہ فہرست مطالبات پر گفت و شنید کے دوران داؤد کاٹن ملز کی انتظامیہ کے اشتعال انگیز اور غیر حقیقت پسندانہ رویے کی وجہ سے مذاکرات ناکام ہو گئے اور لیبر یونین نے اپنے قانونی حق کو استعمال کرتے ہوئے ۲۱ روزہ ہڑتال نوٹس کی مدت گزر جانے پر ۲۵ مارچ ۲۰۰۷ء کو دن کے گیارہ بجے سے ہڑتال کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ ۲۵ مارچ کو ٹھیک گیارہ بجے مزدور پیرا میں اندرون شگل میں بائیں گٹے۔ ساڑھے تھے گیارہ بجے تک ایک ایک کر کے تقریباً تمام مزدور باہر آ چکے تھے، یونین کے صدر خواجہ نجیب الدین اور دوسرے مزدور جو کہ آخر میں گیٹ سے نکل رہے تھے ان کو اچانک پولیس نے گیٹ پر روک دیا اور ملز کے اندر بند کر دیا۔ یہ واقعہ مزدوروں کے لئے انتہائی اشتعال انگیز تھا سگریٹ لیبر یونین کے رہنماؤں نے مزدوروں کو پیرا میں ہٹنے کی تاکید کی چنانچہ تمام مزدور پیرا میں طور پر منتشر ہو گئے۔

ذین الدین خان نے کہا کہ اس انتشار میں ملز کی انتظامیہ جھوٹی رپورٹیں بھیجتی رہی اور تقریباً گیارہ بجے کسٹر کراچی نے مجھے بتایا کہ داؤد کی انتظامیہ نے انہیں اطلاع دی ہے کہ مزدوروں نے فلیڈیوں کے تار کاٹ دے ہیں اور کام بند کر کے ایڈمنسٹریٹو بلاک کا گھیراؤ کرنے کی کوشش کی ہے۔

تحقیقات کرتے ہوئے معلوم ہوا کہ یہ تمام الزامات سراسر جھوٹے اور بے بنیاد ہیں، لیکن ان الزامات کا اصل مقصد یہ تھا کہ لیبر یونین کے لیڈروں کو پولٹ کر کے بھانسن لیا جائے۔ ذین الدین خان نے بتایا کہ ۲۵ مارچ کو پیرا میں شام پولیس نے داؤد کاٹن ملز کے سامنے کی جھوٹیلوں پر ملز کے اندر سے پھراؤ کیا اور اس کے فوراً بعد جھوٹیلوں میں رہنے والوں پر بے تحاشہ اور اندھا دھند لاٹھی چارج کیا پولیس تمام قانونی اور اخلاقی آداب بالائے طاق رکھ کر جھوٹیلوں کے اندر گھس گئی اور پردہ نشین خواتین کو زدوکوب کیا حتیٰ کہ بچوں تک کو نہیں بچا۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ بجے شام سے چھ بجے شام کے عرصے میں سٹو سے زائد افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔

۲۶ مارچ کی صبح کے اوقات میں پولیس نے یونین کے تمام عہدیداروں اور مجلس عاملہ کے گھروں پر چھاپے مارے۔ تقریباً ۲ بجے پولیس نے لاندھی میں قومی مزدور محاذ کے علاقائی دفتر پر چھاپہ مارا اور یونین کے جرنل سکریٹری عزیز الحسن، خراجی شیخ محمود، نائب صدر عبدالستار بیگ مجلس عاملہ کے اراکین ارشد رضوی، جلیل عزمی اور قومی مزدور محاذ کو رنگی کے

کراچی انتظامیہ کے ان انتہائی اشتعال انگیز اقدامات کی شدید مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ ہڑتالی مزدور مکمل طور پر پیرا میں ہیں اور انہوں نے ابھی تک ہر قسم کی اشتعال انگیزی پر کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا ہے۔ لیکن یہ بات واضح کر دینی ضروری ہے کہ مزدوروں میں اضطراب اور بے چینی شدید طور پر پھیلی ہوئی ہے۔ ذین الدین خان نے مطالبہ کیا ہے کہ تمام مزدوروں کو فوری طور پر رہا کیا جائے اور پولیس کو علاقے سے ہٹایا جائے۔ انہوں نے کہا کہ مزدور اپنے مطالبات کے حصول کیلئے پیرا میں ہڑتال پر ہیں، پولیس اور انتظامیہ کی ان بے شرمانہ اشتعال انگیز کارروائیوں کے باوجود مزدور کامیابی تک اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔

پی آئی اے میں بڑھتی ہوئی غنڈہ گردی

کی روک تھام نہ کی گئی تو ہم خود اس کا سدباب کریں گے۔ الطاف حسین

کراچی ۲۴ مارچ۔ ایئر ڈیپارٹمنٹ میں پی آئی اے کے ہارنج کے جنرل سکریٹری الطاف حسین نے ایک اخباری بیان میں پی آئی اے میں روز بروز بڑھتی ہوئی غنڈہ گردی کی شدید مذمت کی ہے۔ اور کہا ہے کہ گذشتہ ماہ ایئر ڈیپارٹمنٹ یونین کے نائب صدر حاجی محمد عالم کے خلاف غنڈہ گردی کے بعد کل ۱۶ مارچ کی شام کو یونین کی مجلس عاملہ کے رکن حبیب سجاد کے ادیر بندہ میں غنڈوں کا منظم حملہ دوسرا اہم واقعہ ہے۔ اور اس سلسلہ میں اطلاعات میں جھوٹی خبر شائع کر کے جوہری اور سینہ زوری کی مثال پیش کی گئی ہے، انہوں نے تفصیل بتاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ حبیب سجاد بالکل تنہا تھے جبکہ بندہ میں شریک غاصر نے انہیں گھیر کر مارا جس کی رپورٹ خدو پی آئی اے کے سیکورٹی ڈپارٹمنٹ میں موجود ہے۔

الطاف حسین صاحب نے کہا کہ اس غنڈہ گردی کے سلسلہ میں حکومت اور پی آئی اے انتظامیہ کو متعدد خطوط اور تاروں کے ذریعہ اطلاع دی جا چکی ہے۔ مگر اس کے باوجود ان واقعات کی روک تھام کے لئے کوئی کارروائی نہیں کی جا رہی ہے بلکہ اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات شاید حکومت اور انتظامیہ کی مشہور بہی دہرائے جا رہے ہیں۔

الطاف حسین صاحب نے کہا کہ ہم سے یونین آفس خالی کرانے دت انتظامیہ نے یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ یہ جگہ شہری مزدوروں کے رہائش گاہ ہے۔ اور بینک کو دے رہا ہے۔ لیکن اس یقین دہانی کی قریباً خلاف ورزی کرتے ہوئے وہ دفتر سیاسی یونین کو دید با گیا جہاں سے اب یہ غنڈہ گردی کی کارروائیاں منظم کی جا رہی ہیں۔

انہوں نے کہا کہ نام نہاد مطالبات کے نام پر ہونے والے حالیہ "مسابہء افتخار" نے پی آئی اے کے مزدوروں پر سیاسی یونین کا فرض دور دشمن کردار بالکل ہی بے نقاب کر دیا ہے جس سے سیاسی یونین کی پشت پر چھپے ہوئے ہمارے بوکھلائے ہوئے ہیں۔ اور اب غنڈہ گردی اور دہشت گردی کے ذریعہ مخالفت میں اٹھنے والی آوازوں کو دبانا چاہتے ہیں لیکن اب مزدوریہ جان چکے ہیں مطالبات کے نام پر کھیل دلائے گئے سچائے سودا بازی کی کئی ہے۔ اور مزدوروں سے پہلے کی ملی ہوئی مراعات بھی انتہائی عتباری کے ساتھ واپس کر دی گئی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم انتظامیہ اور سیاسی یونین کے درمیان ہونے والے معاہدے سے متعلق جاری ہونے والے ایجن آرڈر کا تفصیلی مطالعہ کر رہے ہیں اور بہت جلد اس سلسلہ میں ایک قرطاس ایضاً شائع کر کے یہ بتائیں گے کہ کس ڈھٹائی کے ساتھ مزدوروں کے حقوق و مطالبات کو پیچھا گیا ہے۔

الطاف حسین صاحب نے کہا کہ حالیہ غنڈہ گردی کے واقعات کے سلسلہ میں صدر پاکستان، گورنر جنرل پاکستان، ڈپٹی کمشنر کراچی اور پی آئی اے کے نمبرنگ ڈائریکٹر کو ذریعہ اطلاع دی گئی ہے۔ اگر بہت جلد ان واقعات کی تحقیقات کر کے ان کی روک تھام کے لئے مخصوص اقدام نہ کئے گئے تو ہم اپنے طور پر ان کا سرباب کرنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔

سازدہ ترین

کراچی، ۲۶ مارچ، آج دوپہر کو کراچی ایئر پورٹ پر سیاسی کی ایک غنڈہ فورس نے ایئر ڈیز ایمپلائز یونین اور ماہنامہ منشور کے دو کارکنان ڈی عباس اور افتخار جلیل کو انتہائی بریدری سے زد و کوب کیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد سے پی آئی اے کے مزدوروں میں شدید بے چینی اور استیصال پھیل گیا ہے۔ ایئر ڈیز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ کے جنرل سکریٹری الطاف حسین نے ایک اخباری بیان میں اس ننگی غنڈہ گردی کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایسے واقعات کے اس طویل سلسلے نے یہ بات ظاہر کر دی ہے کہ حکومت اور پی آئی اے انتظامیہ خود غنڈہ عناصر کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ الطاف صاحب نے کہا کہ ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اگر حکومت اور انتظامیہ نے اس کی روک تھام نہ کی تو خود اس کا جواب دینے کیلئے پوری طرح تیار ہیں۔

فضل شفیق ٹیکسٹائل ملز میں لیفرنڈم

۲۴ فروری ۱۹۷۰ء کا دن فضل شفیق ٹیکسٹائل ملز کے تقریباً ایک ہزار مزدوروں کے لئے ایک تاریخی دن تھا کیونکہ اس دن یہ فیصلہ ہوتا تھا کہ مزدوروں کے اتحاد میں زیادہ قوت مضمر ہے یا سرمایہ دار کی دولت میں۔

فضل شفیق ٹیکسٹائل ملز لائڈز کا ایک اوسط درجے کا کپڑا ایل اور داؤد کاٹن ملز کا پڑوسی ہے۔ ملک کی مزدور تحریک کے نقطہ نظر سے اس ملز کا مزدور سب سے زیادہ پسماندہ ہے اور گزشتہ اٹھارہ سال سے یہاں کے مزدوروں کی آواز نفاذ خانے میں طوطی کی آواز کے برابر رہی ہے۔ مزدوروں کو برائے نام مراعات بھی کبھی حاصل نہیں ہو سکیں کیونکہ انتظامیہ ہمیشہ مزدوروں کے خلاف سماج دشمن عناصر کو استعمال کیا ہے۔



اس کے علاوہ مزدوروں کے اندر صحیح مزدور اسپرٹ پیدا ہونے سے روکنے میں جس عنصر نے سب سے گندہ کردار ادا کیا وہ بھی رشوت کے ذریعے بھرتی۔ رشوت کے بغیر تقرری کے مواقع بہت ہی کم ہوتے تھے اور یہی وجہ تھی عزت کے ساتھ ہونے اور جھجھک سے بے حال افراد، جب ہیوی کے زیور، گھر کا سامان، آبائی زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بیچ کر یا ادھار خرچ لیکر رستم فراہم کرتے اور اس کے عیوض جانوروں کی سی زندگی گزارنے کا حق ان کو ملتا تھا تو وہ اسے ہی غنیمت سمجھ کر زبان کو تالا دے لیتے تھے لیکن کب تک - ظلم پھر ظلم ہے بڑا ہتھیار تو مٹ جاتا ہے۔

مارچ ۱۹۶۹ء کو جب مزدوروں کی ملک گیر تحریک کا رخ امر کے دربار واپس رہا۔ فضل شفیق ٹیکسٹائل ملز کے مزدور بھی ٹھکانے کے ماحول کو چھوڑ کر کھلی فضا میں نکل آئے اور انہوں نے کو دکھا دیا چھوٹے ملز کی سرپرستی میں کاغذ پر ایک یونین کا نام موجود تھا اور جس کا سربراہ مبلغ ۳۸۰ روپے رشوت لینے ہوئے رنگے ہاتھوں پیکر آگیا تھا اور ملز کے اندر واپس کھڑے کھڑے لوٹا تھا۔ وہاں مزدوروں نے اپنی آزاد یونین بنام فضل شفیق ٹیکسٹائل ملز لیبر یونین کی بنیاد ڈال دی۔

دولت پر کنڈالی مار کر بیٹھے ہوئے سرمایہ کے سینوں نے جب اپنی چھکڑوں سے کام نہ چلا سکے تو مزدوروں کے ہمدردین کے سامنے آئے اور اس طرح فضل شفیق ٹیکسٹائل ملز وکرز یونین، کا سربراہ سامنے لایا گیا اور ساتھ ہی ساتھ علاقائی عصبيت کو بھی پوری ہوا دی گئی۔ لیکن علیٰ سبق حاصل کیا ہوا مزدور جو تاریخی اعتبار سے بھی بہر کیف با شعور ہو کر رہتا ہے آخر کار با شعور ہو کر رہا، علاقائی عصبيت، لالچ، دھونس، ایک جیسے مزدور کی انتقامی جذبے کے تحت ملازمت سے برطرفی، کوئی بھی حربہ کارگر نہ ہوا اور وہ اپنی چاہیے فیصلہ ہونا تھا کہ مزدور کے اتحاد کی فتح ہوگی یا سرمایہ دار کی سازش جیتے گی۔

اس بار جماعت اسلامی داؤد اور آدم جی میں اپنی شکست کے پیش نظر "درپردہ" کام کیا۔ رلیفرنڈم کیلئے "کانا چھوٹی" کے انداز میں پاکٹ یونین کی کامیابی کیلئے پوری طرح زمین ہموار کرنے کی کوشش کی۔ لیبر یونین کے خیالے رہنماؤں کے خلاف وہی برائے الزامات کھڑا اتحاد، دہشت و خیر کے لگائے گئے مزدوروں میں جھوٹ ڈالنے کی پوری پوری کوشش کی گئی۔ اس سلسلے میں سب سے اہم کردار داؤد کاٹن ملز لیبر یونین کے جنرل سکریٹری عزیز الحسن، جو انٹ سکریٹری نذیر حسین اور چند آگے بڑھے ہوئے کارکنوں پر رلیفرنڈم سے ایک دن قبل قاتلانہ حملہ اور آفس پروٹ مار ہے۔ قاتلانہ حملے میں تو زرخیر غنڈے کامیاب نہ ہو سکے لیکن وقتی افراتفری سے فائدہ اٹھا کر ایک سائیکل، داؤد کاٹن ملز لیبر یونین کا چرم بیگ جس میں ڈھائی ہزار روپے تھے اور فضل شفیق کی لیبر یونین کے آفس سے ایک بیگ جس میں رلیفرنڈم کے اخراجات کیلئے پانچ سو روپے تھے، لے بھاگے، اس غنڈہ گردی سے مزدوروں میں سخت غم و غصے کی لہر دوڑ گئی اور اسی صورت میں پاکٹ یونین کا تیا با خیمہ کوئی مشکل بات نہ تھی لیکن لیبر یونین کی یقینی متوقع فتح کے پیش نظر اور مزدوروں کے اتحاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے متشعل مزدوروں کو سمجھا کر جوابی کارروائی سے باز رکھا گیا۔ کیونکہ رلیفرنڈم کو کھٹائی میں ڈالنا ہی انتظامیہ کی پالیسی تھی، اور اس پالیسی کو شکست دینے کیلئے رلیفرنڈم کا ہونا ناگزیر بن چکا تھا۔ اور رلیفرنڈم میں لیبر یونین کی فتح یقینی تھی۔

مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۷۰ء کی صبح ۷ بجے رلیفرنڈم کا آغاز ہوا لیبر یونین نے انتخابی بیجر، یونین گارڈ، بیجر، بٹرن، اور جھنڈوں کا اہتمام کیا تھا۔ ۲۳ فروری کے غنڈہ گردی کے واقعات کی وجہ سے کراچی کی انتظامیہ نے فریقین کے یکپ فوہ ای اٹھرا دے تھے اس لئے ہر دو یونینوں کے دفاتروں

ہی پر روئینڈہ ہم جاری تھی جو کہ ملز کے گیٹ کے مقابل واقع ہیں دونوں دفاتر کے درمیان لگ بھگ مین گز کا فاصلہ تھا اس لئے گماگمائی بڑھی ہوئی تھی۔ لیبر یونین کے بلیٹ جس کا رنگ سرخ اور در کرز یونین کے بلیٹ جس کا رنگ سفید تھا اسی مناسبت سے دونوں یونینوں کے الیکشن پروسیجر کے لوازمات بھی تھے۔ لیکن مقابلتہ لیبر یونین کا رنگ سبز اور در کرز یونین کا بلیٹ نارم سے لحاظ سے غالب تھا۔

تقاریر کا سلسلہ جاری تھا جس میں فضل شفیق کے صدر محمد اکرم اور جنرل سکریٹری محمد صادق کے علاوہ داد کاٹن ملز لیبر یونین کے رہنماؤں حسین ٹیکٹا ٹل ملز در کرز یونین کے صدر تاج برخان، مولانا حبیب الرحمن، سردار می آرگنارز قومی مزدور اتحاد لاندھی اور کنوینر، مغربی پاکستان قومی مزدور اتحاد سرگزین الدین خان لودھی نے تقاریر کیں۔ سرگزین الدین خان لودھی نے ریفرنڈم میں لیبر یونین کے آرگنارز کے فرائض بھی انجام دیے اور یونگ ایجنٹ کی حیثیت سے بھی کام کیا۔

لیبر یونین بھرپور مزدور جدوجہد کے ساتھ میدان میں آئی تھی لیبر یونین نے جو سبز رنگ لگائے تھے ان میں سے خاص خاص یہ تھے:

ظلم بھر ظلم ہے برہ صابے تو مٹ جاتا ہے
خون بھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا
ظلم و تشدد بند کرو

غیر مشروط ہر تال کا حق بحال کرو
بینرز کے علاوہ صبح سے شام تک مزدوروں نے لیبر یونین کے بلیٹ نارم سے جو نعرے لگائے وہ مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ مزدور مزدور — بھائی بھائی
مزدور اتحاد — زندہ باد
لال ڈبہ جیتے گا — جیتے گا بھی جیتے گا
لیبر یونین آئے گی — سیٹھوں کو بھٹکائے گی
لال ڈبہ بھر گیا — ملا ۳۸۰ مر گیا
سرمایہ دار کی جاگیر داری — مردہ باد
ملز کے اندر کی فضا میں گماگمائی کی رہی جس کی وجہ فضل شفیق کی اختلافی کا وہ مخصوص رویہ تھا جس نے برسہا برس مزدور کو زرخیز غلام سے بڑھ کر اور کوئی حیثیت نہ دی تھی اور جس کے باوجود ایک آزاد مزدوروں کی نمائندہ یونین کا قیام عمل میں آیا تھا۔ ایسی صورت میں مزدوروں میں

وہ جراثیم موجود نہ تھی جو کسی عملی جدوجہد کی بھٹی میں تپ کر نکلنے کے بعد پیدا ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ جو چیز موجود نہ ہو۔ اس کے اثرات کی موجودگی کا حوالہ ہی نہیں ہے۔ لیکن شعور ہر حال ترقی کر چکا تھا جس کا ثبوت مزدور سے گفتگو کے نتائج ہیں۔ گواہی دی دی دینی سہی تھیں لیکن فیصلہ ایک ہی تھا اور وہ تھا لیبر یونین کی حمایت کرنا۔

در کرز یونین اور انتظامیہ کے گٹھ جوڑ کے نتیجے میں مجموعی حیثیت سے یونگ بہت زیادہ ہوئی یعنی تقریباً ۹۸ فیصد مزدوروں نے حق رائے دی استعمال کیا۔ یونگ زیادہ ہونے کی بنا پر ہی انتظامیہ "بند مٹھی" یا پس دیوار وعدے" قسم کی سازشوں کی کامیابی کی توقعات کر سکتی تھی لیکن جس جگہ پر مزدوروں کے ووٹ فیصلہ صادر کرنے والے تھے وہاں یہ تو رائے دینے والے کے سوا کوئی اور تھا انہیں اس لئے مزدوروں نے اپنا فیصلہ دیا اور لیبر یونین ۶۵ فیصد ووٹ حاصل کر کے کامیاب ہوئی۔

وہ اس طرح سے سرمایہ داروں کے ہتھکنڈوں، جماعت اسلامی کی درپردہ سازشوں اور زر خرید غنڈوں کی طوفان بدتمیزی کوئی چیز بھی کارگر نہ ہو سکی۔

جوبلی اسپینگ نیڈ یونگ ملز کے مزدوروں

نے انتظامیہ کو سات دن کا مطالبات نوٹس دے دیا

کراچی، ۲۶ مارچ (نمائندہ منٹور) جوبلی اسپینگ ایٹیلو نیڈ یونگ ملز کے مزدوروں کی یونین نے انتظامیہ کو سات دن کا مطالبات کا نوٹس دیدیا ہے یونین کے جنرل سکریٹری جناب تاج برخان نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ انتظامیہ کے سامنے بار بار مزدوروں کے مسائل پیش کئے گئے لیکن انتظامیہ نے مرد مہر کی کارروائی اختیار کیا لہذا اب انتظامیہ کو ۲۶ مارچ سے ایک ہفتہ کا مطالبات کا نوٹس دیدیا ہے انہوں نے کہا کہ اگر مقررہ مدت میں مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو اس کے بعد سڑک مار نوٹس دیدیا جائے گا۔ انہوں نے داد کاٹن ملز اور دیگر شاہکار تالی مزدوروں کے مطالبات کی حمایت کی اور مطالبہ کیا کہ قومی مزدور اتحاد ملتان کے کنوینر اشرف حسین رضوی اور دیگر تمام گرفتار شدہ مزدور رہنماؤں کو فوری رہا کیا جائے۔

مشرقی پاکستان میں ایرویز ایمپلائز یونین کے انتخابات ہو گئے صدر رضوان اور جنرل سکریٹری انوار الکریم

کبھی بھی انتخابات نہیں کرائے ہیں اور اس عرصے میں کئی بار مختلف عہدوں کی تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں وہ نامزدگی یا تقرری کی شکل میں عمل میں لائی گئی ہیں معلوم ہوا ہے کہ جماعت اسلامی کراچی کی بانی کمان خود ہی سیاسی کے عہدوں میں افرادی رد و بدل کے فیصلے کرتی ہے اس قسم کی افواہیں مستقل طور پر گشت کر رہی ہیں کہ مختلف حلقوں کی طرف سے سیاسی کے تکرار پر انتخابات کرائے گئے دیاؤ ڈالا جارہا ہے مگر فیوٹنک کراچی جماعت اسلامی کی بانی کمان نے ابھی تک فضا کو اپنے حق میں سازگار نہیں پایا ہے اس لئے انتخابات سے گریز کر رہی ہے اور اس سلسلہ میں بہت سے اہم کارکنوں کی ناراضگی حتیٰ کہ ان کی بنیادی سے علیحدگی تک کی پردہ نہیں کر رہی ہے۔

کراچی، ۲۶ مارچ (نمائندہ منٹور) دھاکہ سے آمدہ اطلاعات کے مطابق ۲۶ مارچ کو مشرقی پاکستان میں ایرویز ایمپلائز یونین کے انتخابات مکمل ہو گئے اب تک جن تین عہدوں کے نتائج معلوم ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:

صدر رضوان نائب صدر فحالی جنرل سکریٹری انوار الکریم
واقع رہے کہ گزشتہ ماہ کی ۲۶ تاریخ کو مشرقی پاکستان میں پی آئی اے میں ریفرنڈم ہوا تھا جس میں ایرویز ایمپلائز یونین کو نمائندہ یونین قرار دیا گیا تھا۔ ایرویز ایمپلائز یونین نے اپنی جمہوری روایات کو برقرار رکھتے ہوئے سب سے پہلے انتخابات کرائے کا فیصلہ کیا تھا اور اس کے مطابق ۲۶ مارچ کو انتخابات کرائے گئے۔ اس سلسلہ میں یہ بات اہمائی دلچسپ ہے کہ مشرقی پاکستان میں نام نہاد نمائندہ یونین سیاسی نے اپنے وجود سے لیکر اب تک

دیورٹے :- انجم جاوید صابری

دیورٹے :- انجم جاوید صابری



پر حیم کو سترنگوں نہیں ہوئے دیں گے۔

اس سلسلے کا دوسرا اجلاس ساڑھے چار بجے منعقد ہوا۔ کالج رڈ پر منعقد ہونے والے اس جلسہء عام میں ہزاروں طالب علموں اور شہریوں نے شرکت کی۔ سینکڑوں طالب علم اپنے اپنے پر سرخ رنگ کی پٹیاں باندھے ہوئے تھے جس پر "نار لینڈ" (امریکی سفیر) والیں جاؤ۔ "سی آئی اے کے اگنڈا رالیں جاؤ۔" لکھا ہوا تھا۔

نے انقلابی نظمیں پڑھیں اور سامعین کو غفلت سے بیدار کیا۔ اس کے بعد وہ بیانات پڑھ

کر سنائے گئے جو مختلف رہنماؤں نے اس کنونشن کے موقع پر بتائے تھے۔ سب سے پہلے پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئر مین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کا پیغام پڑھ کر سنا گیا۔ اس کے بعد تری مزور محاذ اور اردو زبان ایسوسی ایشن کے صدر مسٹر ظہیر عباس اور نیشنل اسٹڈنٹس فیڈریشن کے صدر رشید حسن خان کے پیغامات پڑھ کر سنائے گئے۔

این ایس ایف زاولینڈی کے صدر مشروریز رشید نے (اپنی تقریر میں کہا کہ طلباء نے ایک تنظیم عوامی تحریک شروع کر رکھی ہے۔ لیکن طلباء کے خلاف مسلسل سازشیں کی جا رہی ہیں اور ایسے حالات پیدا کئے جا رہے ہیں کہ وہ حق کے لئے آواز بلند نہ کر سکیں۔ انہوں نے کہا کہ طلباء کو روٹ رہنے کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے لیکن وہ عوام کو ضرر بتا کر رہیں گے کہ ان کے ساتھ حکومت کیا زارتیاں کر رہی ہے۔

انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ این ایس ایف کے صدر رشید حسن خان کے علاوہ دیگر تلامذہ سرحد آرڈر کان رہنماؤں کو فوراً رہا کر دیا جائے۔
دوسرے طالب علم ایک آرڈر ترک چلانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

میشل اسٹورٹس فیڈریشن راولپنڈی رینج کا پہلا سالانہ کنونشن
۱۳ مارچ ۱۹۷۰ء کو راولپنڈی میں منعقد ہوا۔ اس دورہ کنونشن میں راولپنڈی
رینج کے ۸۶ ضابطین کے علاوہ پشاور - لاہور اور کراچی کے نمائندوں نے بھی
شرکت کی۔

کنونشن کے پہلے روز دہ اجلاس منعقد ہوئے۔ پہلا اجلاس صبح دس بجے شہنشاہی میں منعقد ہوا۔ یہ دہ اجلاس شہنشاہی میں این ایس ایف کے تنظیمی امور اور آئندہ لائحہ عمل پر غور و خوض کیا گیا۔ اجلاس کی صدارت این ایس ایف لاہور کے صدر سہیل مہانوی کر رہے تھے۔ اجلاس میں مرکزی مجلس عالمہ اور صوبائی مجلس عالمہ سندھ کے بینامات بھی بڑھ کر شہنائے گئے۔ پیشاور کے لطیف چوہدری نے این ایس ایف کے ماضی پر ایک مفصل تقریر کی۔ انہوں نے کہا کہ پنجاب کی سر زمین پر اس عظیم تحریک کا کنونشن منعقد کر رہے ہیں جو کہ پاکستان کے عوام کی تحریک ہے۔ ہم اس تحریک کو پاکستان کے ایک ایک محاذوں میں پھیلا دے گئے۔

لطیف خود مرصی نے گذشتہ تحریکات کا ذکر کرتے ہوئے این ایس ایف کے سابق صدر شہسراج محمد خان کو زبردست حراجِ حقین پیش کیا۔ اور لکھ ۱۹۵۸ء کے مارشل لاؤ کے خلاف سب سے پہلے آواز شہسراج محمد خان نے بلند کی۔ اور موجودہ پارلر لا حکومت نے بھی سب سے پہلے انہیں کو تنقید یا مستحق کی سزا دی۔ انہوں نے لکھ ۷، اکتوبر ۱۹۶۸ء کی تحریک نے پاکستان کی سیاست کا ناسہ لپیٹ دیا تھا۔ این ایس ایف نے ہفتہ مطاببات کا آغاز کر کے دراصل اس عظیم تحریک کا آغاز کر دیا تھا جس نے ایوب خان کی آمریت کو ختم کر کے رکھ دیا۔ لیکن آپ دیکھیں کہ ایوب خان کی آمریت کو ختم کر کے ڈانے عظیم مجاہد ایک بار پھر جیلوں میں قید کر دئے گئے تھے اور ان کو طول سزاؤں دے دی گئی تھیں۔

لطیف جو بڑی نے کہا کہ ابن ایس ایف دراصل غفلت اور کم تر کام کا جدید
 کا نام ہے۔ ہمارا اتحاد صرف اور صرف مزدوروں - کافوں اور دیگر محنت کشوں
 سے ہو گا۔ ابن ایس ایف کا پرگرام سامراج دشمن - جاگیر دار دشمن اور سرمایہ
 دار دشمن پروگرام ہے۔ آئیے ہم عہد کر کے کہیں ابن ایس ایف کے عظیم انقلابی

ابن ایس ایف کے رہنما مسر حاسم الحق نے کہا کہ اس وقت ہمارا ملک نہایت اہم اور نازک دور سے گزر رہا ہے۔ سامراجی طاقتیں مختلف تختہ کھڑوں سے اپنے مقاصد اور مفادات کے لئے کوشاں ہیں۔ لیکن ہم انہیں بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہم ان کے ناپاک مقاصد پورے نہیں پورے دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ بعض نام نہاد علماء شور مچاتے پھر رہے ہیں کہ اسلام خطرے میں ہے۔ حالانکہ اسلام خطرے میں نہیں ہے بلکہ ان مولویوں کو اپنا مستقبل خطرے میں نظر آ رہا ہے۔

کشمیری طالب علم لیدر اسلم قنیر نے اپنے علاقے کے تعلیمی مسائل پیش کرتے ہوئے کہا کہ کشمیری طلباء کو ایم بی ایس اور انجینئرنگ کالجوں میں مناسب سہولتیں مہیا کی جائیں اور آزاد کشمیر میں علمیدہ یونیورسٹی قائم کی جائے۔ پشاور کے لطیف چوہدری اور لاہور کے شہیل چیلوں نے بھی تقریریں کیں۔

گورڈن کالج اسٹوڈنٹس یونین کے صدر راجہ انور نے اپنی تقریر میں کہا کہ انتخابات میں طلباء و مزدوروں اور وائسروں کو بھی نشستیں ملنی چاہئیں مشہور طالب علم رہنما اور گورنمنٹ کالج راولپنڈی کے سابق صدر عبدالرشید شیخ نے بھی جلسے سے خطاب کیا۔ انیس کے نمائندے اور لاہ کالج کے ماسٹرم نیر خراجہ نے بھی اجلاس سے خطاب کیا۔

طالب علموں کی تقریر کے بعد مہمان خصوصی مولانا کوثر نیازی مائیک پر تشریف لائے۔

مولانا کوثر نیازی نے اپنی تقریر میں کہا کہ گذشتہ ۲۲ سالوں میں پوری قوم نے جو تکالیف اٹھائی ہیں ہمارے طالب علم ان سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ہمارے ملک میں مختلف طبقوں کے درمیان نا صلے بڑھتے جا رہے ہیں۔ معاشرے میں برعظیمہ فروخت ہوتی ہے۔ کالجوں میں تعلیم بکتی ہے۔ عدالتوں میں انصاف فروخت ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ حرم کی سزائیں بھی مختلف زادیوں سے دی جاتی ہیں۔ مولانا نے کہا کہ عدا لانہ معاشی اور سماجی نظام کے قیام کی جدوجہد ایک "جہاد" ہے۔ جو لوگ اس کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ خدا ان کو اس کا اجر دے گا۔

نئی باز مولویوں پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے مولانا نے کہا کہ گذشتہ ۲۲ سال سے اسی ملک میں سود کی بنیاد پر معاشی نظام قائم ہے مگر اس پر نئی نہیں لگا گیا۔ آج جبکہ عوام امیر اور غریب کے

درمیان حائل دیوار کو گرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی جدوجہد کو اسلام کے خلاف قرار دیا جا رہا ہے۔ کئی اسلامی ممالک پر بھی جہاں سوشلزم قائم ہے۔ کفر کا فتویٰ صادر کر دیا گیا ہے۔ مصر، شام، عراق، سوڈان اور لیبیا وہ ممالک ہیں جو یہودیوں کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہ ممالک اسلام کے لئے جہاد کر رہے ہیں۔ کیا ان مجاہدوں کو کافر کہنا درست ہے۔ انہوں نے کہا اسلام ہمیشہ سے زندہ تھا۔ زندہ ہے اور رہے گا۔ اسلام کو جب برطانوی سامراج نے ختم کر سکا تو امریکی سامراج کا ختم کر کے گا۔ اسلام کو کبھی بھی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی حفاظت کے لئے خدا موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کی کفر کا فتویٰ دینے والے لوگوں کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ ان پر بھی مخالفین نے فتوے صادر کئے ہیں۔ اگر وہ اپنے دے ہوئے فتووں کو صحیح سمجھتے ہیں تو انہیں ان فتووں کو بھی قبول کرنا ہوگا۔ جو ان کے خلاف دئے گئے ہیں۔

مولانا نے کہا کہ آپ مسلمانوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں نے ایک دوسرے کے خلاف جنگیں کی ہیں۔ لیکن کبھی ایک دوسرے کو کافر نہیں کہا۔ یہاں تک کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی

یہ یزید کو کافر قرار نہیں دیا۔ انہوں نے علماء کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ روحانی قتل عام سے باز آجائیں۔ اب لوگوں کے ذہنوں کو مزید اچھانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

انہوں نے کہا کہ اسلامی سوشلزم کے لفظ سے بعض لوگ بلاوجہ الترحک میں وہ اس کے مقابلے میں اسلامی جمہوریت کا لفظ استعمال کرتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ جس جمہوریت کی وہ بات کرتے ہیں اس میں کثرت رائے کے فیصلے کو تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ برطانیہ میں ہم جس پرستی کو اکثریت نے جائز قرار دیا ہے۔ اگر اکثریت مشرب کو حلال قرار دے تو کیا اسے حلال قرار دیا جائیگا۔؟

انہوں نے نام نہاد علماء سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سے پہلے تمہاری ہی محبوب جماعت یعنی اخوان المسلمون نے اسلامی سوشلزم کی اصطلاح کو استعمال کیا۔ شام کے مصطفیٰ احبابی جن کی کتاب کا ترجمہ ہم نے مفت تقسیم کیا ہے اگر ان کی کتاب الاشرۃ اکیث الکتاب کا ترجمہ دیکھا جائے تو وہ اسلامی سوشلزم ہے جس کی تم مخالفت کر رہے ہو۔

مصر۔ سوڈان۔ لیبیا۔ شام۔ عراق۔ الجزائر کے کروڑوں مسلمانوں کو ہم نے ایک تعلیم کی جنبش سے دین اسلام سے خارج کر دیا۔ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے سر ہاتھوں پر رکھے ہوئے ہیں۔ ان کے بچے تم پر رہے ہیں۔ لیکن یہ اسرائیل سے برسر پیکار ہیں۔ اور اسلام کا نام بلند کر رہے ہیں۔

یہ مجاہد جنہیں تم کافر کہتے ہو جہاد کر رہے ہیں۔ انہوں نے علماء سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہودی کون ہیں؟

سب جانتے ہیں کہ یہودی اہل کتاب ہیں۔ اور ہم مسلمان تمہارے ننوں کی رو سے مرتد ہو گئے ہیں۔

اب اگر اہل کتاب اور مرتد میں سے کسی کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا جائے تو حکم تو یہ ہے کہ اہل کتاب کا ساتھ دو۔ لہذا آؤ اور کہو کہ ہم مرتدوں کا ساتھ نہیں دیں گے بلکہ یہودی اہل کتاب کا ساتھ دیں گے۔ کیا تم اب کر سکتے ہو۔؟

انہوں نے کہا کہ ایک جہادیت نے عوامی تحریک اور سوشلزم کی مقبولیت سے متاثر ہو کر اپنے منشور میں یہ اعلان کیا کہ وہ برسا قدر آئے کے بعد صرف ڈھائی سو ایکڑ زمین رکھنے کی اجازت دیدے گی۔ باقی زمین جسے وہ حوام مزارع دے چکے ہیں۔ عارضی طور پر رکھی جائے گی۔ اس طرح اس جہادیت نے حرام کو عارضی طور پر حلال قرار دیا ہے۔

اپنی تقریر کے آخر میں انہوں نے کہا کہ میں ابن ایس ایف کے لاجواؤں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔

یہ راہ خدا میں جہاد کر رہے ہیں۔ میں انہیں مجاہد سمجھتا ہوں۔ اور ان کے پاؤں کی خاک کو اپنے لئے سرمہ بھرت سمجھتا ہوں۔

یہ مجاہدین جن کے خلاف تم کفر کے فتوے لگا رہے ہو تمہاری سینکڑوں کتابیں۔ سینکڑوں جرائد۔ لٹریچر اور رسالے ایک طرف تم ان کے مقالے تک نہیں پہنچ سکتے۔ مجاہدین کے بعد وہ کتبہ آؤ۔ حق و عدل و انصاف کی خاطر آئے بڑھے چلو۔

مولانا کوثر نیازی کی تقریر کے بعد مفت روزہ نصرت کے مدیر مسٹر خلیفہ رائے نے اپنی تقریر میں کہا کہ ابن ایس ایف کے اس کنونشن میں شریک ہو کر مجھے خاصی طور پر اس لئے خوشی ہو رہی ہے کہ طالب علم کسی بھی معاشرے کا وہ طبقہ ہوتے ہیں جن کے عرض مندانہ مفادات ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ لہذا وہ جس کی بھی عزت انسانی کرتے ہیں وہ بہت ہی عزت کے قابل ہوتا ہے۔

طالب علم جس کا ساتھ دیتے ہیں وہ وہی ہوتا ہے جو قابل عزت ہو۔

قومی تاریخ میں طالب علموں نے دل دھان کے ساتھ حق و صداقت کا ساتھ دیا اور اب ترکیب سادات کو آگے بڑھانے میں اسی جذبے اور خلوص کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں۔

مسٹر خلیفہ رائے کی تقریر کے بعد چونکہ مغرب کا وقت ہو چلا تھا۔ لہذا جلسہ کے اختتام کا اعلان کیا گیا اور پوری نفسانہ نعروں سے مجمع اٹھ گیا۔

طالب علم - مزدور - کسان اتحاد زندہ باد۔

امریکی ساراج مرہہ باد۔

مانگ رہا ہے ہر انسان - روٹی کپڑا اور مکان۔

جالو جالو آگن جالو۔

طلباء کے مطالبات پورے کرو۔

طلباء کو رہا کرو۔

رشدی حسن خان زندہ باد۔

ابن اسین الیف زندہ باد۔

اس طرح کنونشن کا پہلا روز ختم ہو گیا۔ دوسرے روز پھر ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں راولپنڈی ریجن کی ورکنگ کمیٹی کا تینام عمل میں آیا اور تنظیمیں اور سرکٹ کی گئی۔ اس طرح راولپنڈی میں ابن اسین الیف کا کامیاب ترین کنونشن اپنے اختتام پر پہنچا۔

پی آئی اے کے مشرقی پاکستانی ملازمین کی

ایسوسی ایشن کے انتخابات

کراچی (نمائندہ منشور) پی آئی اے الیٹ پاکستان ایمپلائز کچلرل اینڈ ویلفیئر ایسوسی ایشن کے سال رواں کے عہدیداران کا انتخاب ۱۵ مارچ ۱۹۷۰ء کو عمل میں آیا جس میں مندرجہ ذیل افراد منتخب قرار پائے۔

صدر - جناب ایم آر - تعلقدار
سیکرٹری نائب صدر - ڈاکٹر اسلام
نائب صدر - ولی الرحمن

جی ایم جودہری
جنرل سکریٹری - شاہ عالم

خازن - کبیر حسین

آرگنائزنگ سکریٹری - نور الزماں

کلیچرل سکریٹری - معین الرحمن

پبلکٹی سکریٹری - طہ خان

نظری سکریٹری - خورشید عالم

تمام انتخابات انتہائی پر امن اور خوشگوار ماحول میں ہوئے اور ایسوسی ایشن کے ممبرانے انتہائی سرگرمی سے ان میں حصہ لیا۔

محکمہ زراعت کے بلیڈاران کے مطالبات تسلیم کئے جائیں

بلیڈاران یونین ضلع ہزارہ کا ایک عام اجلاس زیر صدارت نواب علی جنرل سکریٹری یونین منعقد ہوا جس میں محکمہ زراعت کے بلیڈاران کے مسائل پر غور و خوض کیا گیا۔ یونین کی ہزارہ شاخ کے صدر تاج محمد نے تقریر کرتے ہوئے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ زرعی بلیڈاران کو کسی قسم کی سہولتیں بھی نہیں دی جا رہی ہیں اور آج بھی بلیڈاران انھیں مشکلات کا شکار ہیں جو ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۱ء میں تھیں اور جن سے محکمہ زراعت کے اعلیٰ حکام کو بار بار مطلع کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ۱۵ مئی ۷۱ء کو اعلان کیا گیا تھا کہ تین ماہ کی مدت ملازمت کے عارضی ملازمین

کو مستقل کیا جائے گا۔ پھر ۶۸ء میں ایک اعلان ہوا کہ نومبر کے عارضی ملازمین کو مستقل کیا جائے گا۔ پھر ۱۸ جنوری ۷۰ء کو اخبار میں یہ اعلان ہوا ہے کہ جو ملازم تین سال سے ورک چارنج سے اسے مستقل کیا جائے۔ لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے کہ لاہور یا پٹیڑی سے ہونیوالا اعلان آگے عملدرآمد کی منزل تک نہیں پہنچتا۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ حکومت یہ بھی اعلان کرتی ہے کہ مزدور تنظیمیں پرامن طریقے سے اپنے مطالبات پیش کیا کریں آخر میں اجلاس میں مندرجہ ذیل مطالبات پر مشتمل قرارداد منظور کی گئی۔

۱۔ مسٹر رول مسسٹم ختم کر کے بلیڈاروں کو سرفہرے سے مستقل کیا جائے۔

۲۔ متخیر ہونے میں اضافہ کیا جائے اور سالانہ ترقی دی جائے۔

۳۔ کام کے لئے وردی دی جائے۔

۴۔ سائیکل اور میڈیکل الاؤنس دیا جائے

۵۔ میڈیکل اور سالانہ چھٹیاں دی جائیں

۶۔ تقریبی الاؤنس اور تقریبی چھٹی دی جائے۔

۷۔ جمیع کی نصف دن کی اور اتوار کو پورے دن کی تعطیل کی جائے۔

۸۔ مغربی پاکستان میں بلیڈاروں کے اسکیم کیاں کئے جائیں

۹۔ بلیڈاروں کا نام سرکاری کاغذات میں فیملی وار کر رکھا جائے۔

داؤد اور دوسرے مزدوروں کے مطالبات تسلیم کئے جائیں

کراچی ۲۰ مارچ، قومی مزدور اتحاد منٹھو پر صنعتی ایریا کے کنونشن پر ابوبکر اور حماد سے ملحقہ یونینوں کے عہدیداران، حبیب الرحمن جنرل سکریٹری کریم ملک ملز ورکرز یونین جناب عبدالغفار انصاری جنرل سکریٹری اقبال ملک ملز یونین تاج برخان جنرل سکریٹری جوبلی اسپتنگ اینڈ ویلنگ ملز مزدور یونین علی زمان جنرل سکریٹری ممتاز احمد ملک ملز مزدور یونین اظہر علی جنرل سکریٹری السیرن فارماسیوٹیکل اینڈ سٹریٹ ایمپلائز یونین قاضی احسان جنرل سکریٹری جیفٹ ملک ملز ورکرز یونین نے اپنے ایک مشترکہ اخباری بیان میں داؤد کاٹن ماز کے مزدوروں کی گرفتاریوں اور ان پر لاکھ چارج کی شدید مذمت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مزدوروں نے اکیس دن کانٹنٹ دینے کے بعد قانونی ہڑتال کی ہے، لیکن داؤد کی انتظامیہ اور کراچی انتظامیہ اپنے باہمی ٹھگھڑ کے ذریعے تشدد، سازشوں اور گرفتاریوں کے ذریعے مزدوروں میں اشتعال پھیلا کر انھیں غیر قانونی اقدامات پر ابھار رہی ہیں۔ اس سلسلے میں دو سو مزدوروں کو گرفتار کر لیا گیا اور مزدوروں پر بلا دہر لاکھ چارج کیا گیا۔ جس سے پچاس سے زائد مزدور زخمی ہو گئے انہوں نے کہا کہ جب مل مالکان مزدوروں کی چھانچ و بھرتی کرتے ہیں تو شہری انتظامیہ خاموش رہتی ہے لیکن جب وہ ہڑتال کرتے ہیں تو یہ فوراً حرکت میں آجاتی ہے اور ان کی گرفتاریاں اور ان پر لاکھ چارج شروع ہو جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مزدوروں پر تشدد کرنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا ان کے مطالبات تسلیم کئے جائیں انہوں نے کہا کہ اگر داؤد کے مزدوروں میں گرفتاریوں اور تشدد سے اشتعال پھیلانے کی کوشش کی گئی تو بعد کے تمام نتائج کی ذمہ داری کراچی انتظامیہ پر عائد ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ کریم ملک ملز کے ۱۵، الین آر اینڈ سٹریٹ کے ۵۵ اور الیٹن فارما سٹریٹ اینڈ سٹریٹ کے کچھ مزدوروں کو بلا کسی معقول وجہ کے برطرف کر دیا گیا ہے۔ ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ان مزدوروں کو فوراً ملازمت پر بحال کیا جائے تاکہ مزدوروں میں پھیلی ہوئی بے چینی دور ہوا اور حالات خراب نہ ہوں۔

لوگ کہتے ہیں

چراغ منشور کا جلے گا

نیو سنٹرل جیل ملتان

جان سے پیارے ساتھیو !

کل کئی ماہ بعد ماہ رواں کا منشور ملا۔ ایک ہی نشست میں بڑھوٹا طبیعت باغ ہو گئی۔ رسالے کا معیار ہر لحاظ سے پہلے سے بہتر پایا۔ خیر نامہ بھی تازہ خوں پر شعل ہے۔ باقی مواد خوب ہے۔ انٹرنیشنل ایئر پورٹ کی گھٹی گھٹی اور پوچھل بورڈا فضا سے نکل کر منگھو سرورڈ کے انقلابی ماحول میں آنے سے منشور کے رنگ و بے میں تازہ اور جوان خون دوڑا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

چار ماہ سے سرے گلے نظام کی محافظ سنگ و آہن کی فصیلوں نے ہمارا اٹھرا دیا ہوا ہے۔ اور ہم بڑی حد تک باہر کی دنیا خصوصاً انقلابی ساتھیوں سے کٹے ہوئے ہیں مگر بھر بھی اخبارات وغیرہ سے کچھ احوال یاران وطن کا پتہ چلتا رہتا ہے، ۱۳ نومبر ۶۹ء کو ملتان میں یوم حسن ناصر شہید منانے کا پروگرام تھا۔ اشفاق احمد خان ایڈووکیٹ کو صدارت کرنی تھی مگر صاحب اور ۵۸ مزدور ساتھیوں کا وہ دن تھانے میں اور سات زندان میں بسر ہوئی۔ ۱۶ دسمبر سے ۱۹ دسمبر کے درمیان گیارہ ساتھیوں کو کڑوں اور ایک ماہ سے ایک سال تک کی قید یا شقت کی سزائیں سننا کراہٹوں کے تقاضے پورے کئے گئے۔ مقامی فرقہ و مودودیہ اور ہمنوا۔ ہفت روزہ "گندگی" (زیادہ درنگی) اور کچھ نام نہاد ترقی پسند پہلے ہی ہمارے "قتل" کے فتوے صادر فرما چکے تھے۔ ان جذبات کے آج میں "گندگی" کو دس ہزار روپے اور دوسروں کو بھی مناسب انعامات سے اللہ وسایا کے مالکان نواز چکے ہیں۔ مگر جیل کی سختیوں نے جن کا بڑا اثر سن رہا تھا ہمارے عوام کو اور سخت کر دیا ہے۔ جبر و استبداد کے صدیوں پرانے نظم کو ملیا میٹ کر دینے کا حوصلہ رکھنے والوں کے لئے ایسی سختیاں بچوں کے کھیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔

ہمیں اپنی گرفتاری کا مطلق انفوس نہیں ہوا لیکن ۱۹۶۹ء کے آخری لمحات میں "سی آئی اے" نے بی آئی اے کے ساتھ جوڑ کے نتیجے میں مغربی حصہ میں بی آئی اے کے مزدوروں پر فرقہ و مودودیہ کی آمریت مسلط کئے جانے کی خبر نے ایم ایم کا کام کیا۔ تمام رفیقان زندان میں تشویش کی لہر دوڑ گئی ایک ساتھی نے کہا کہ "یہ پاکستان کی ترقی پسند تحریک کا دوسرا عظیم ترین لمحہ ہے۔ ہماری نظر میں امریکی سامراج۔ روسی سوشل سامراج۔ بی آئی اے کے انتظامیہ رجعت پرست حکمرانوں۔ سرمایہ داروں۔ جاگیرداروں اور ان کے ایجنٹوں پر مشتمل صیحت دشمنان کی مضبوطی سے زیادہ ریفرنڈم کے ڈھونگ کی عارضی کامیابی بی آئی اے میں ہمارے اپنے ساتھیوں کی کمزوریوں کا دخل ہے، جس کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر تنقید اور خود تنقید کے لشکروں سے فاسد مادہ کا اخراج لازمی ہے۔

مگر اس ابتدائی کامیابی کے بعد داد، آدمجی، جوبلی، انبال فضل شفیق عثمانیہ۔ سیکورٹی برس اور سب سے بڑھ کر مشرقی بی آئی اے میں منترہ مودودیہ کی عبرتناک شکستوں سے نایت ہو گیا ہے کہ یہ ایم ایم بھی کاغذی شہر ہے۔ خصوصاً مشرقی بی آئی اے میں بنگالی جٹلر اور مودودی کے مریدوں پر مشتمل سامراج کے چٹھوؤں کے متحدہ محاذ کی ہارس سے ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ بہت جلد مغرب سے بھی سامراجی ٹروٹوں کا جنازہ نکل جائے گا۔

۲۷ دسمبر کو ہم ڈسٹرکٹ جیل سے تبدیل ہو کر یہاں آئے تھے۔ چند دن بعد سیکورٹی لاہور کے دوسرے ارشاد علی (ایک سال) اور عزیز سونچ (۹ ماہ) اور مسٹر مبارک حیدر بھی یہاں آ گئے۔ مگر پھر ۲۶ جنوری کو اتفاقاً خان اور محمود نواز باہر اور مبارک حیدر کو بھال پوچھ بیٹھا گیا۔

پچھلے ماہ ایک ساتھی شوکت علی ایک ماہ سزا کاٹ کر رہا ہو چکے ہیں ۹ محرم کو اللہ وسایا ٹیکسٹائل ملز مزدوروں میں سے صدر شاہ حسین اور حیرت بخت بلذخان مین ماہ قید یا شقت سے فارغ ہو کر جانے والے ہیں، یہاں پر میرے علاوہ محفوظا خان۔ محمد اسحاق اور اشرف خان (۶۶ ماہ) بھی ہیں۔ دوسرے ابراہیم ۹ ماہ معہ کوڑے (۶ ماہ) اور غفور (۶ ماہ) ڈسٹرکٹ جیل میں ہیں۔ حیدر آباد کے طالب علم ساتھی حسین شاہ بخاری بھی ایک ماہ سے یہاں ہیں۔ لالہ قادر اور دردو سرے طلبہ بھی آئے تھے مگر وہ امتحانات کے لئے حیدر آباد گئے ہوئے ہیں۔ ان سب کو پہلے بی کلاس دی گئی تھی مگر حیدر بن بعد سی کلاس سے نواز گیا۔

کراچی میں کئی دوستوں کو خط لکھ چکا ہوں مگر جواب نادر۔ ویسے مجھے ان کی مصروفیات کا بھی اندازہ ہے مگر ایسی مصروفیت بھی کیا! روشنیوں کے شہر میں میرے ایک جگر یار سید غلام شہر نقوی اردو ہی رہا کرتے تھے۔ اکت میں ان کی شادی خانہ آبادی کا سبنا تھا مگر بھرتہ نہیں چلا کہ جیسے میں یا پردہ کر کے رخصت کا جواب نہ ملنے سے اندیشہ ہائے درد و راز کو تقویت ملتی ہے یہ حال اگر جیسے ہوں تو ان سے کہیں کہ ظالم بھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا نہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو!

ملتان ہو تو منشور جیل کے پتے پر بھیجا دیا کریں۔ دسمبر، جنوری اور فروری کے شمارے بھی بھیج دیں۔ تمام مزدور ساتھی اور حسین شاہ بخاری صاحب کراچی کے محنت کشوں اور طالب علموں کو سلام کہتے ہیں۔

فقط آپ کا ساتھی

اشرف حسین رضوی۔ بی کلاس۔ نیو سنٹرل جیل ملتان

نیو سنٹرل جیل ملتان

محترم مدیر منشور !

پاکستان کے کروڑوں مزدوروں۔ طالب علموں اور محنت کش طبقوں کا ترجمان۔ زبان خلق نقارہ خدا "منشور" بڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ زندان میں منشور کا ملنا رہائی کے پردانے سے کم نہیں۔ ۲۶ جنوری کو حیدر آباد میں جو انصوسناک واقعات ہوئے اس میں سی آئی اے اور سرمایہ داروں کی آواز۔ عرب دشمن نام نہاد صحافت کو تجارت بنانے والے ہفت روزہ گندگی نے جس جنونی اور تعصبی نظریہ سے واقعات کو پیش کیا ہے اور اصل قصہ کو مسخ کیا ہے اور اس طرح اپنی روایتی صحافتی بیانیہ کابوت دیا ہے۔ انتظامیہ کی غلطی اور یونیورسٹی کے طلباء کے الیکشن کے مسئلہ پر ہونیوالے اتفاقی حادثہ کو سندھ کے ترقی پسند ادیبوں شاعروں اور سیاست دانوں کا منصوبہ قرار دیا ہے۔ صوبے کے عوام میں نفرت علیحدگی پسندگی کے رجحانات اور خوف و ہراس پیدا کیا ہے۔ گوہر اپنے سامراجی آقاؤں کا حق نمک خوب ادا کیا ہے۔ آئندہ تاریخ جب حقیقت پسندانہ رنگ میں لکھی جائے گی۔ تو اسے صحافتی دنیا کی حیثیت میں راسیو میں سے تشبیہ دے گی۔

اس وقت جبکہ ملک میں ہر طرف "ستارہ کی پکار ہے ظلم و ستم اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے اور کچھ لوگ اسلام کا لبادہ اوڑھے اپنے ڈالری آقاؤں کے اشارے پر اس ملک کے عوام کو گراہ کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ ایسے وقت میں "منشور" سرمایہ داروں اور سامراج کے ایجنٹوں کو پھیلائی ہوئی تاریکیوں میں حسن پرستوں

THE MONTHLY MANSHOOR KARACHI

عملی جدوجہد کے دوران حاصل کردہ تجربات کا انچور

عوام کے ذہنوں کو جلا بخشنے کیلئے ان کتابوں کا مطالعہ بے حد ضروری ہے

یہ بیسویں صدی کی سالیب ڈبائی ہے اور یہ دور تاریخ عالم کا ہنگامہ خمیز دور ہے۔ اس زمانے میں زمینی خلفشار اور نظریاتی انتشار کے سیاہ دائروں نے عام افراد کے ذہنوں اور تنظیمی سرگرمیوں کو انتہائی تیزی کے ساتھ اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیا ہے۔ لہذا ۲۰ ج، ہمیشہ سے زیادہ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ علم و دانش کی روشنی ستیج کو طباعت و اشاعت کے خانوس سے مزین کر دیا جائے۔ اسی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے ماؤزے تنگ کی تحریروں کا انتخاب کیا ہے۔ چینی عوام کے ترجمان، ماؤزے تنگ کے افکار سے اردو داں عوام کو روشناس کروا سیکھنے کے لئے ہم نے یہ سلسلہ شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے، ہماری یہ کوششیں اس اعتبار سے مزید اہمیت اختیار کر لیتی ہیں کہ آج کل مزدوروں، کسانوں اور ان کے دوستوں سے خوف کھانے والے منافقین، بد معاش اور اٹھائی گئے اس آفتاب صداقت سے بھٹکا کر، اپنی کھوکھلی بہتان طرازی اور بودی الزام تراشی کے ذریعے، مظلوموں کے اس عظیم مفکر کی عہد آفریں تحریروں میں پیش کردہ موضوعات، مسائل اور مواد کو متنازعہ اور اختلافی رنگ دینے کی تاک میں ہیں لیکن اپنی پھسلی منطقی کی بھول بھلیوں میں چکر اکر اور مگرم بازوں کی دلدل میں دھنس کر رہ جاتے ہیں۔ اب یہ ممکن ہو جائے گا کہ ہمارے وطن کے عوام بھی مذکورہ تحریروں کا بذات خود اور براہ راست مطالعہ کر کے، دلائل و براہین کی روشنی میں صحیح نتائج و مطالب اخذ کر سکیں گے۔

نمبر شمار	کتاب	محقق	قیمت
۱۔	کیونٹ مینی فیسٹو	ہول راکس	۲۰ روپے
۲۔	بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک کی عام راہ عمل کے متعلق ایک تجویز	کریڈنٹ	۱۰ روپے
	(چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا خط، سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے ۲۰ رہنما کے خط کے جواب میں)		
۳۔	پورے پوٹوٹ شخص جس نے پہلا ہٹا ڈالا	ماؤزے تنگ	۱۵ روپے
۴۔	عوام کی خدمت کیلئے	۲۵ روپے	
۵۔	نارین تینوں کی یادیں	۲۵ روپے	
۶۔	دشمن کی طرف سے حملہ کیا جانا بڑی بات نہیں اچھی بات ہے	۲۵ روپے	
۷۔	صحیح نظریات آتے کہاں سے ہیں؟	۱۵ روپے	
۸۔	۱۔ سلاہ چینی محنت کش کا تعارف ۲۔ سلاہ کمیونسٹ کا تعارف	۲۰ روپے	
۹۔	اعتدال پسندی کے خلاف جدوجہد کرو	۲۵ روپے	
۱۰۔	چینی سماج میں طبقات کا تجزیہ	۵۰ روپے	
۱۱۔	پارٹی میں غلط نظریات کی اصلاح کے بارے میں	۲۵ روپے	
۱۲۔	اپنے منہ لائے کی اصلاح کرو	۵۰ روپے	
۱۳۔	عمل کے بارے میں	۵۰ روپے	
۱۴۔	تفصیل کے بارے میں	ایک روپے	
۱۵۔	عوام کے مابین تضادات کے صحیح حل کے بارے میں	ایک روپے	
۱۶۔	۱۔ نظم و ضبط کے تین اہم اصولوں اور آٹھ نکات برائے توجہ کے دوبارہ اجراء کے بارے میں ۲۔ اصلاحی ارادوں کے پریکٹس میں بائیں بازو کی غلطیاں درست کرو ۳۔ امریکی مصالحت کی اہلیت اور چین میں فادہ جی کا مستقبل ۴۔ دشمن کی فوجوں کو ایک ایک کر کے تباہ کر دینے کے لئے ایک اعلیٰ و بہتر فوج ۵۔ فکلت علاقوں میں قانونی ارادہی چلنے لگنے کے مختلف طریقے ۶۔ پولوں کے طریقہ کار کو مرتب کرنے کے بارے میں	۸۵ روپے	
۱۷۔	پارٹی کی رسمی تحریک کی مخالفت کرو۔	ماؤزے تنگ	۸۰ روپے
۱۸۔	نشرو اشاعت کے کام کے بارے میں۔	۵۰ روپے	
۱۹۔	۱۔ جاری تحریک ۲۔ ثقافتی کام میں متحدہ محاذ ۳۔ دانشوروں کو بڑی تعداد میں پارٹی کے اندر شامل کرو	۲۵ روپے	
۲۰۔	منظوم پوجیڈ	۳۰ روپے	
۲۱۔	قیادت کے طریقوں سے متعلق چند مسائل	۱۰ روپے	
۲۲۔	۱۔ موجودہ صورت حال اور پارٹی کے مستقبل ۲۔ پارٹی کی کمی سسٹم کو مضبوط کرنے کے بارے میں۔	۳۰ روپے	
۲۳۔	پارٹی کی موجودہ پالیسی کے چند اہم مسائل کے بارے میں	۲۵ روپے	
۲۴۔	۱۔ متحدہ محاذ کے اندر خود مختاری اور پارٹی کی کامیابی کا مسئلہ ۲۔ قوموں کو متحد کرو اور کمیونسٹ دشمنوں کے خلاف جدوجہد کرو ۳۔ میان میں چینی کمیونسٹ پارٹی کا کردار	۵۰ روپے	
۲۵۔	۱۔ قومی جنگ میں چینی کمیونسٹ پارٹی کا کردار ۲۔ چینی کمیونسٹ پارٹی اور چین کی انقلابی جنگ ۳۔ دوسری کمیونسٹ دشمن یلغار کی پسپائی کے نتیجے ۴۔ دوسری کمیونسٹ دشمن یلغار کی پسپائی کے نتیجے	۴۰ روپے	
۲۶۔	عوامی جمہوری آمریت کے بارے میں	۲۰ روپے	
۲۷۔	کتاب پرستی کی مخالفت کیلئے	۲۵ روپے	
۲۸۔	پارٹی کے اسلوب کار کی اصلاح کرو	۴۰ روپے	
۲۹۔	۱۔ کونسا راستہ ۲۔ سوشلسٹ یا سرمایہ دار ۳۔ چین کے پارلیمانیت کے پجاری کا دلایہ چین ۴۔ اتحاد آخر تک ۵۔ چین اتحاد اور ترکی پر زور دینا چاہئے	ایک روپے	
۳۰۔	۱۔ ادب اور فن کے بارے میں ۲۔ چینی انقلاب اور چینی کمیونسٹ پارٹی ۳۔ سید گوارڈوں کو آزاد دو (دراپائی انقلاب پسند) ۴۔ پورٹو داسید گوارڈوں کو بائیں مسلہ کرو	۲۵ روپے	
۳۱۔	۱۔ چینی عوام کا دوست اسٹالن ۲۔ دشمنی کا نونگ سیاہی ۳۔ علاقے کی حکومت اور آسمانی فوج کے عسکری سید گوارڈ کا اعلان ۴۔ ادب اور فن کے بارے میں ۵۔ تاج چو کی کتابوں پر بحث چینی	۲۵ روپے	
۳۲۔	۱۔ ایک عظیم تاریخی اہمیت کی حامل دستاویز ۲۔ (پارٹی اور چین میں بائیں مسلہ کے بارے میں)	۲۵ روپے	
۳۳۔	تنگ تو کی جن شان میں شام کی گپ شب، سوشلزم اور پارٹی کے خلاف خاص نقاشی ہے	۲۵ روپے	
۳۴۔	ماؤزے تنگ کی فکر پارٹی فائٹ پیش قدمی کی راہ نمونہ کرتی ہے	۵۰ روپے	
۳۵۔	چینی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا گشتی مراسلہ	۳۰ روپے	
۳۶۔	کامیونسٹ پارٹی کی تقریریں	۲۵ روپے	
۳۷۔	(عوامی جمہوریہ چین کے اخباروں میں سوشلزم کے مسئلہ کے انعقاد کے موقع پر)	۲۵ روپے	
۳۸۔	نئی جمہوریت کے بارے میں	ایک روپے	